جادۂ عزم



مؤلف

رستم علی سہیل

جادۂ غم

مؤلف:

رستم علی سہیل

پاپولر بک ڈپو

۳۰۵۔ ذوالقرنین چیمبرز۔ گنپت روڈ (انارکلی) لاہور

ناشر :- ۔ ۔ ۔ جبار قریشی

تاریخ اشاعت :- ۔ ۔ ۔ فروری ۶۸ء

تعداد :- ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار

قیمت ۔ ۔ [redacted] روپے

مؤلف :- ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ رستم علی سہیل

کتابت ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ محمود علی

محبوب پرنٹنگ کارپوریشن ۹ سرکلر روڈ لاہور

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

اسلامی تاریخ میں بہت سے مصلح اور مجدد ہو گزرے ہیں۔ اُن سب نے اپنے زمانے دین کی خدمت کی اور بڑھ چڑھ کر کی۔ زمانے کے مصائب و مسائل کا حل پیش کیا۔ دینِ متین کو لوگوں کے ذہنوں کے قریب کر کے پیش کیا۔ اسی طرح کے مجددین اور مصلحین کے گروہ کے گل سرسبد سید ابو الاعلیٰ مودودی تھے آپ کی شان سب سے ممتاز ہے۔ چونکہ آپ کا کام اور کام کرنے کا انداز سب سے نرالا ہے۔ آپ کے زمانے میں وہ تمام فتنے اکٹھے ہو گئے تھے۔ جو قرونِ اولیٰ سے پل اور بڑھ رہے تھے۔ حضرت مولانا مودودی رح کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے یہ تمام فتنے اپنے جوبن تک پہنچ چکے تھے۔ فتنہ انکار حدیث، مسئلہ ختم نبوت، دہریت کا فتنہ، مسلمانوں میں عمل و اعتقاد کی کمزوری ان سب پر مستزاد تھی۔ اہل باطل کی اسلام پر ہر طرف سے یلغار تھی۔ حضرت مولانا مودودی رح نے ان سب کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ اُن سب کو

للکارا، اُن کے تمام اعتراضات کا ایک ایک کر کے جواب دیا۔ صرف جواب ہی نہیں دیا، صرف اسلام اور دین اسلام کی مدافعت ہی نہ کی۔ بلکہ دین اسلام پہ یلغار کرتے والے تمام شیطانوں پر بھرپور وار کیا۔ اُن کو پسپائی پر مجبور کیا۔

سیّد مودودیؒ کے کارنامے اگر صحیح طور پہ سمجھنا اور جاننا مقصود ہو تو آپ کے زمانے کو بھی اچھی طرح سمجھنا ہوگا۔ اُن حالات و واقعات سے واقفیّت حاصل کرنی ہوگی۔ آپ کے ماحول کو جاننا ہوگا۔ اور ہندوستان (پاک و ہند) کے سیاسی و معاشرتی، حالات سے واقفیت حاصل کرنی ہوگی۔ یہاں پہ مسلمانوں کی حالت زار کا جائزہ لینا ہوگا۔ ان تمام چیزوں کو نظر میں رکھے بغیر کوئی بھی سیّد مودودیؒ کے کارنامے کا صحیح طور پہ اندازہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی انصاف کر سکے گا۔ سیّد مودودیؒ جس زمانے میں میدان عمل میں آئے اس زمانے کی سیاسی صورت حال کے بارے میں ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں

"یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی تحریک آزادی بڑے زور سے چل رہی تھی اور مسلم ذہن آنے والے آزاد ہندوستان میں اپنے صحیح مقام اور منصب کی تلاش میں سرگرم عمل اور مضطرب تھا۔

عین اسی زمانے میں پردہ غیب سے ایک مرد عصر نمودار ہوا جس نے مسلمانان

ہند کے تشخص و شخصیت کی اجتماعی جستجو
میں ایک منزل کی نشاندھی کی جسے اسلامی
تاریخ کا ایک ناگزیر تقاضا کہا جاسکتا ہے
یہ مردِ عصر سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ تھا۔"

سید مودودیؒ نے خالق کی طرف سے تفویض کردہ کام مقدور بھر انجام دیا اور خوب انجام دیا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے آپ نے اپنے حصے سے بڑھ کر کام کیا۔ سعید ارواح نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا اور شیطانی طاقتوں نے آپ کے لئے اس ملک اور ماحول کو طائف بنا دیا۔ سعید روحیں آپ سے ٹوٹ کر پیار کرتی تھیں۔ اور شیطانی ارواح نے ٹوٹ کر مخالفت کی اور اس کا انہوں نے بھی حق ادا کر دیا۔

پھر ایک دن ایسا آیا جب سید مودودیؒ خالق حقیقی سے جا ملے۔ آپ کی جدائی پر ایک عالم سوگوار ہوا۔ ہر آنکھ اشکبار ہوئی یہ رنج و ملال بہر حال فطری تھا جو دنیا میں آیا ہے اُسے دنیا سے جانا ہی ہے باقی رہنے والی صرف خدا کی ذات ہے۔ ایک پنجابی شاعر یوں ترجمانی کرتا ہے۔

اے جندڑی اے تو جیون جاہیں کس بابل دیجائی
پاک محمدؐ رہے نہ ایتھے جو محبوب خدائی

لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ جو دنیا سے گیا وہ کیا کارنامۂ حیات اپنے ساتھ لے گیا۔ اور اپنے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے کیا نقوش چھوڑ کر گیا۔

اس پہلو سے دیکھتے ہیں تو سید محترم کی زندگی بلاشبہ قابل صد ہزار رشک ہے آپ اس دور میں عالمی اسلامی تحریک کے سب سے بڑے داعی اور سب سے ممتاز قائد تھے آپ عمر بھر ظلم و استحصال پر مبنی باطل نظام ہائے زندگی کے خلاف جہاد میں مصروف

رہے۔ آپ کی بھرپور اور جاندار اور مدلل تنقید نے ان تمام شیطانی نظاموں اور فتنوں کے لئے کوئی جائے پناہ نہ رہنے دی۔ ان کی چولیں ہلا کر رکھ دیں اور اسلامی انقلاب کے لئے راہ ہموار ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ آج آپ کے افکار اور عملی جدوجہد کے نتیجے میں دنیا کا چپہ چپہ اسلام کی آواز سے اور اُسے عملاً نافذ کرنے کے نعروں سے گونج رہا ہے۔ اور اسلام کے سرفروش ہر جگہ خدا کا کلمہ بلند کرنے اور اس کی خاطر قربانیاں دینے لئے سربکف ہیں۔

سید محترم ساری اسلامی دنیا کے قائد اور رہبر تھے لیکن زندگی کا ہر طبقہ جس کا بھی آپ سے تھوڑا بہت تعلق رہا ہے سمجھتا ہے اور بجا طور پر سمجھتا ہے کہ سید مودودیؒ اس کے ہی رہنما تھے مثلاً مسلم نوجوان یہ سمجھتے ہیں۔ کہ سید محترم کا یہ ان پر عظیم احسان ہے کہ آپ نے انہیں اسلام پر ایمان و یقین کی اس دولت سے مالا مال کر دیا۔ جس کے نتیجے میں یہ نوجوان الحاد اور دہریت کی طوفانی آندھیوں میں بھی صراط مستقیم پہ قائم ہیں دوسروں کی رہنمائی مقدور بھر کر رہے ہیں اور ان کے ذمے جو عظیم کام ان کے محبوب رہنما نے لگایا ہے اسے انجام دینے کی کوشش میں سوئے منزل رواں دواں ہیں۔ اور علماء، مزدور، خواتین

بھی سید مودودیؒ کے بارے میں اسی طرح کے جذبات رکھتی ہیں۔

اسلامی تاریخ میں بہت سے مصلح اور مجدّد ہوئے ہیں۔ لیکن اس شان کی شخصیّت مشکل سے ملے گی جس نے فکری کام بھی کیا ہو اور عملی بھی۔ فکر بھی دی ہو اور تنظیم بھی بنائی ہو۔ اور تنظیم کے لئے افراد کی تربیّت کا اہتمام بھی کیا ہو۔ اس تنظیم کو برس ہا برس تک خود اپنی رہنمائی میں چلا کر دکھایا ہو۔ اور پھر اپنے پیچھے ایسے افراد کی ایک جاندار اور مضبوط ٹیم چھوڑی ہو جو ہر شعبہ زندگی میں اسلامی فکر کو جاری اور نافذ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہو۔

بلاشبہ سیّدی مرحوم ایک ایسے مومن تھے جنہیں اپنے مشن کا مکمل طور پر شعور تھا۔ اہل حق اور دین اسلام کو عملاً نافذ کرنے والے اور اس کے لئے جدوجہد میں مصروف افراد کے لئے آپ کی زندگی یقیناً ایک روشن مثال ہے۔ ایسی روشن مثال جسکو انہوں نے صرف کتابوں میں نہیں پڑھا۔ بلکہ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔

عالم اسلام میں سیدمحترم کے لئے جس قدر محبت و عقیدت کے جذبات پائے جاتے ہیں وہ آپ کی جہد مسلسل کا منطقی نتیجہ ہیں جو آپ نے دین متین کو عملاً نافذ کرنے کے لئے کی ہے۔ اس عقیدت و محبت کا اصل تقاضا یہ ہے کہ آپ کی فکر و پیغام کو سمجھ کر اس پر عمل کیا جائے اور اسے دنیا میں عام کیا جائے

آپ کی زندگی کو اپنا آئیڈیل بنایا جائے اور آپ کے نقوشِ قدم پہ چلا جائے۔

محبت و عقیدت کا یہ تقاضا ہوتا ہے کہ محب اور عقیدت الیہ کے اوجھل ہونے سے دل پریشان ہو جاتا ہے اور روح بے آب و مضطرب ہو جاتی ہے۔ چنانچہ جوں ہی سید مودودیؒ کی وفات کی خبر لوگوں تک پہنچی لوگ آہوں اور سسکیوں کے ساتھ آنسوؤں کی لڑیاں لیئے ایک دوسرے سے تعزیت کرتے رہے یہ سانحہ ایسا تھا کہ تعزیت کا ہر ایک حقدار تھا۔ اس وقت ہر طبقۂ فکر نے اپنے اپنے انداز میں اظہار عقیدت کیا۔ ادیبوں نے مضامین و فیچر لکھ کر، مقررین نے تقریریں کر کے اپنے جذبات کا اظہار کیا، شاعر بھی اس کام میں پیچھے نہ رہے شعرا نے اپنے اپنے انداز میں مولانا سے اظہار عقیدت بھی کیا۔ آپ کے کارنامے بھی گنوائے اور اظہار تعزیت و افسوس بھی کیا۔

نمونے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ مظفر ملاظوہی فرماتے ہیں

غواص دیں مفسرِ قرآں چلا گیا
بطل جلیل ہادئ دوراں چلا گیا

ایوب گونڈوی یوں اظہار عقیدت کرتے ہیں ؎

صاحب فکر بلند و نکتہ سنج و خوش نوا
زندگی کیا تھی کمالوں کی مکمل سرنوشت
ایسے عالم کی جدائی پہ ہوئی تاریخ مرگ
با حیا سید ابو الاعلیٰ گیا باغ بہشت

حضرت مولانا مودودیؒ سے محبت وعقیدت اس قدر تھی کہ آپ کا عالم پیری میں بھی اس جہانِ فانی سے رخصت ہونا ناگہانی معلوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اسرار احمد سہاروی کی زبانی سنئے :

زندگی سب کی آنی جانی ہے
آپ کی موت ناگہانی ہے
کیوں خفا ہو گئے ہیں مولانا
کیا کوئی ہم سے بدگمانی ہے

موت عالم کی مرگ عالم ہے
سخت دل دوز یہ کہانی ہے
کچھ تو للہ صبر کر لیجئے
کیوں سفر کی دل میں ٹھانی ہے

آپ کا بلند مرتبہ اور مقام عالی محتاج بیان نہیں۔ جناب الطاف شاہد صاحب اپنے دل کا غم یوں ہلکا کرتے ہیں۔

اک مجدد جو کہ روحِ عصر تھا
اک مفکر جو تھا ملت کا زعیم
وہ کہ تھا دل عالم اسلام کا
وہ کہ جس کا لطف تھا لطفِ عمیم

علم کی دنیا سے رخصت ہو گیا
شارح منہاج قرآن عظیم

جناب اختر ہوشیار پوری کو سنئے۔ آپ عالم پریشانی میں کہہ اٹھتے ہیں۔

تو شکست موت سے کھا گیا۔

ہمیں اپنے ساتھ بچھا گیا

تو مگر حیات نشاں ہوا

تو جمالِ کاہکشاں ہوا

تری فکر ابد کا پیام ہے

تری آگہی کو سلام ہے

اس مردِ حق کے تربیت یافتہ افراد اس عالم پریشانی اور سانحہ ارتحال کے موقعہ پہ بھی دامن خداوندی تھامے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اپنے محبوب کے لئے مالک حقیقی سے رحمت و مغفرت کے خواستگار ہیں۔ حکیم افتخار فخر صاحب فرماتے ہیں۔

تبلائیں کسے زخم جو سینے میں لگا ہے

دل میں غم بے وقت سے اک حشر بپا ہے

اب سر لب دیں دار پہ بس اک صدا ہے

منظور رہے تسلیم ہے اللہ کی رضا ہے

سایہ کرے رحمت کا خدا تیری لحد پر

ہو بارش انوار سدا تیری لحد پر

ابو السلام جناب نعیم صدیقی صاحب محترم سیدی مودودیؒ کے سانحہ وفات سن کر فرماتے ہیں ؎

مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

کہیں تاروں سے خوں نہ ٹپکنے لگے

کوئی کوہ لرزکے تھرکنے لگے

مولانا کے جنازے سے پہلے کا وہ منظر نگاہوں کے

سامنے رہے ۔ جو جنازہ اٹھانے سے قبل ۵ اے ذیلدار پارک اور اس کے گردونواح میں تھا عاشقان مودودی رح کا ایک جم غفیر تھا ۔ جو اس شخص کو ڈھونڈنے آیا تھا ۔ نعیم صدیقی صاحب فرماتے ہیں ۔

طویل راہوں سے آنے والو
بڑے تحیر سے دیکھتے ہو
قریب آؤ، بتاؤ سمجھو
کسی سے کیا چیز چاہتے ہو
پتہ یہ تم کس کا پوچھتے ہو
وہ کون ہے جسکو ڈھونڈتے ہو
وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

مولانا کے لئے عقیدت کے پھول اور موتی جو شعراء نے بکھیرے ہیں ۔ میں نے ان کو یکجا کر دیا ہے تاکہ عاشقان مودودی نے ، مولانا سے جو اظہار عقیدت کیا ۔ اور آپ کے کارنامے بیان کئے ہیں ۔ ان تک ایک عام آدمی کی پہنچ ہو سکے ۔ ویسے تو یہ تمام موتی مختلف رسائل و اخبارات میں مل جاتے ہیں اور مل سکتے ہیں ۔ مگر اس کے لئے محنت و ریاضت کرنی پڑتی ہے ۔ اس لئے میں نے ان بکھرے ہوئے دانوں کو تسبیح کی صورت میں پرونے کی کوشش کی میں کہاں تک کامیاب ہوا ہوں ۔ اس کا فیصلہ آپ فرمائیے ۔

اس کار خیر میں میں رانا جمیل احمد صاحب کا ممنون ہوں کہ آپ نے مفید مشوروں سے

نوازا اور بھرپور تعاون کیا۔

ماہنامہ "سیارہ ڈائجسٹ" کے اسسٹنٹ ایڈیٹر جناب ناصر وقار کا بھی میں بیحد ممنون ہوں کہ انہوں نے اس کتاب کی ترتیب و تدوین میں خاصی معاونت فرمائی۔

خداوند کریم سے اس بات کے لئے دعا کی جائے کہ اس کتاب کے مؤلف اور معاونت کرنے والوں کو اجرِ عظیم نصیب ہو۔

رستم علی سہیل

شاہِ بلوط

نعیم صدیقی

وہ شاہِ بلوط بھی ٹوٹ گرا
شب تارے جس پر جھومتے تھے
انبوہ روپہلی کرنوں کے، دن ٹہنی ٹہنی گھومتے تھے
اور تتلیاں نکہ لالہ و گل، نازک سی پھننگوں کو اس کی، وارفتہ اوا سے چومتے تھے

★

وہ شاہِ بلوط کچھ اور ہی تھا
اس کی ہر ننّھی کونپل میں، اک مستی خیز مہک سی تھی۔
چوٹی پہ اس کی یوں لگتا، ہر وقت بغیر ابر سیہ، کچھ کوندے جیسی لہک سی تھی
پتوں پہ جو گرتی تھی شبنم
تو اس کے قطرے قطرے میں ذرات زبر جد کی گویا، من موہنی ایک دمک سی تھی۔
اس کے ہر سوکھے ڈنٹھل میں، ہجر کے انگاروں کی صورت، اک سوز آموز دہک سی تھی
وہ شاہ بلوط عجیب سا تھا، مانند نبضِ انسانی، نس نس میں ایک دھمک سی تھی۔
طائر جو ادھر آجاتے تھے، ان میں اک خاص چمک سی تھی۔
وہ شاہ بلوط بھی ٹوٹ گرا۔

★

وہ شاہِ بلوط جو اونچا تھا، جو گھیر میں مثلِ طوبیٰ تھا
اک ننھی کونپل کی صورت، وہ خاکِ فسردہ سے ابھرا
اک گلشنِ مردہ سے اُبھرا

حوریں اسے سینچا کرتی تھیں، قدسی اسے پالا کرتے تھے
قد اس کے تنے کا بڑھتا گیا، پھیلی ہیں مسلسل شاخیں بھی، آخر وہ فضا میں چھانے لگا
اس تیرگیوں کی دنیا میں، وہ نور و ضیا پھیلانے لگا
جیسے کہ درختِ طور تھا وہ
یا نور کا ایک ظہور تھا وہ
پاس اس کے تھے کتنے بدقسمت، جن کے لئے میلوں دور تھا وہ

جب جب بھی ہوا چھوتی تھی اُسے، ہر موج کو وہ مہکاتا تھا
چھاؤں میں اس کی ہر راہی، رک تھم کے ذرا سستاتا تھا
واں بچے آکر کھیلتے تھے، اور ان کو کہانی ملتی تھی
واں بوڑھے آکر بیٹھتے تھے
یادوں کے پرانے پھولوں کی، سوکھے ہوئے لرزاں ہاتھوں سے، وہ اُلجھی ڈوریاں کھولتے تھے
اور ان کو جوانی ملتی تھی
واں اہلِ شباب آتے تھے بہت، وہ کوئی کرامت دیکھتے تھے، مقصد کی نشانی ملتی تھی

★

وہ شاہِ بلوط سایہ فگن

ہم جب بھی عشق کی راہوں پہ، چلتے ہوئے تھک کر آتے تھے
ہم جب بھی محاذِ حق سے کبھی، تمغے کئی تازہ زخموں کے، سینوں پر سجا کر لاتے تھے
اس شاہ بلوطِ نوری سے، کچھ دیر کو ٹیک لگاتے تھے

حساس شجر کے سامنے پھر، میدان کا حال سناتے تھے، کچھ جنگ کے راز بتاتے تھے
تھا ممتا کا ماحول یہاں، کچھ اونگھ سی آنے لگتی تھی، پل بھر کے لئے سو جاتے تھے
خوابوں کے جزیروں کی پریاں، پھر ہم کو اڑا لے جاتی تھیں
فردا کے خواب دکھاتی تھیں
ہم جانے کہاں کھو جاتے تھے
جنگاہ سے پھر آواز آتی، ہم چونک کے پھر اٹھ جاتے تھے
اس شاہِ بلوط نوری سے، کچھ قوت تازہ پاتے تھے نغمات رجز پھر گاتے تھے
پھر اُٹھ کر سینہ تانے ہوئے، میدان کو لپکتے جاتے تھے
پھر تازہ رنگ جماتے تھے!

★

وہ شاہِ بلوط اک پیڑ بھی تھا، انسان بھی تھا کچھ اور بھی تھا
اک شخص بھی تھا، انبوہ بھی تھا، تحریک بھی تھا اک دور بھی تھا
وہ گیت ازل کے گاتا تھا
ذروں کو کرامت سے اپنی، پل میں خورشید بناتا تھا
جو طائر زیرِ دام رہے، دے کر انہیں درس آزادی، پرواز کا فن سکھلاتا تھا

ہر بستی میں دیکھا ہے اسکو، وہ محفل محفل جاتا تھا، اور اک پیغام سناتا تھا
جینے کے راز سکھاتا تھا، مرنے کے بھید بتاتا تھا
ایمان کی ضو پھیلاتا تھا، حکمت کا رنگ جماتا تھا
قبروں سے مردے جی اٹھے! وہ ایسی مے کا ساقی تھا، وہ ایسے جام لنڈھاتا تھا
وہ پتھر کھاتے کھاتے بھی، دھیما سا تبسم فرما کر، کچھ لعل و گہر برساتا تھا
جو لوگ کہ پتھر مارتے تھے، ان سب پر پھول گراتا تھا
ہر ٹوٹی ہوئی شخصیت کی، سب کرچیاں وہ کرتا تھا بہم، پھر ان میں جوڑ لگاتا تھا
تھا اس کا گناہ پاک یہی، ہر کفر پہ اس کی یورش تھی، ہر باطل سے ٹکراتا تھا
اس شاہ بلوط کی ہیبت سے، شیطان بہت گھبراتا تھا
صیہونی صلیبی، لادینی اور چانکیائی، مارکسی،
سب حیلے اپنے کرتے تھے
ان سب کو چکمہ دے دے کر، وہ سخت پریشان کرتا تھا، خود انکے ہاتھ نہ آتا تھا
نظریوں کے تھے جال بہت، پل بھر میں توڑ دکھاتا تھا
تہذیب کے ساحر، جادو سے جب سانپ بنا کر لاتے تھے
وہ مکر کا دشمن، سحر شکن، موسیٰؑ کا عصا بن جاتا تھا
نمرود چتا بھڑکاتے تھے
تو ابراہیمؑ کا یہ بیٹا، ہر آفل کا یہ انکاری
بے باک بھڑکتے شعلوں کو، اور دہکتے ہوئے انگاروں کو رنگین گلزار بناتا تھا

جب اس کو سزائے قید ملی
زنجیروں نے بل کھائے بہت، ہر قفل بھی پگھلا جاتا تھا
یہ دار کو بھی چھو آیا تھا!
تاریخ کا یہ کردار حسیں، ہر دور میں جلوہ دکھلا کر، پردوں میں کہیں چھپ جاتا تھا
اب بھی وہ پس پردہ ہے مکیں
اب بھی وہ کرم فرماتا ہے، جو پہلے کرم فرماتا تھا

★

وہ شاہِ بلوط عجوبہ تھا
وہ چشم بصیرت رکھتا تھا، سب چہروں کی تحریروں کو، باریک نظر سے پڑھتا تھا
وہ سب کی باتیں سنتا تھا، وہ سن سن کر سر دھنتا تھا
وہ اس انداز سے سنتا تھا، گویا کہ وہ موتی چنتا تھا
پھر قصرِ تخیل میں اپنے، وہ قوس قزح کے تاروں سے، حکمت کی ردائیں بنتا تھا
اس شاہِ بلوط کے کیا کہنے
ہر پتہ ایک زباں گویا، اٹھتی تھیں تکلم کی لہریں
حساس تھا وہ، بیدار تھا وہ
باغیرت تھا، خوددار تھا وہ
عظمت کا اک مینار تھا وہ
قرآں کا امانت دار تھا وہ، اب کیا کہیے وہ کیا کیا تھا

دیکھو کہ فضا اب کیسی ہے؟
پُرہول خلا، تاریک فلک اور چھائی ہوئی ویرانی ہے
نم دیدہ صد ہا آنکھیں ہیں، سلگی ہوئی ہر پیشانی ہے
یارانِ طریق صدق وصفا!
وہ مر کے بھی مٹنے والا نہیں، خود موت کو بھی حیرانی ہے
اب کاہکشاں تا کاہکشاں، اس شاہ بلوط کا گھیرا ہے
اس داعیٔ دین رحمت کا، آفاق تلک پھیلاؤ ہے
ہر بے آلائش سپنے میں، اس مرد خدا کا ڈیرا ہے
جو لوگ سپاہی حق کے نہیں، رہتا ہے انکے ساتھ رواں، ہر شخص یہ سمجھے میرا ہے
گو چاروں سمت اندھیرا ہے.
سورج کی آنکھیں اندھی ہیں، تاروں نے چہرے ڈھانپ لئے
گھبراؤ نہیں اے اہل یقیں!
وہ شاہِ بلوط انسانی، جو ظاہر میں کل ٹوٹ گرا
وہ سورج بن کر ابھرے گا
مانو، وہ کل کا سویرا ہے!

چھڈ کے تر گیا

عنایت اللہ انصاری فیصل آباد

چھڈ کے ٹر گیا پیر مودودی رہ گئے اسیں اکلے
کی دساں کی دل نوں ہو وے نیر اکھیں چوں چلے

موت العالم، موت العالم آوے پیا آوازہ،
بند ہویا اے ساڈے کارن مشوریاں دا دروازہ

کتھوں لبھئے مول نہیں لبھنا تیرے جیہا انسان
موت دیاں اکھیاں دیو چہ اکھیاں پاؤنیاں تیری شان

تیری موت دے اُتے رو یا کل عالم اسلام
بادشاہاں دے منہ دے اُتے رہندا تیرا نام

ایس صدی دا سب توں وڈا عالم کہیا داناواں
رتبہ مفکر اعظم والا آپ دتا علماواں

مسلماناں دے دل دے اُتے ڈگے آن پہاڑ،
اج شیطان دے چیلے کردے خوشیاں موج بہار

سانوں داغ جدائی والا دے گیا اے انصاری
وچ فراق ترے دے پیرا روندی دنیا ساری

مفسّرِ قرآں چلا گیا

مظفر مُلّا ٹھوی

غوّاصِ دیں مفسّرِ قرآں چلا گیا
بطلِ جلیل ہادیٔ دوراں چلا گیا

اک آفتاب رمزِ مشیت ہوا غروب
اک مردِ حق و صاحبِ عرفاں چلا گیا

روشن تھی جس سے شمعِ ہدایت نہیں رہا
دینِ مبیں کا ماہِ درخشاں چلا گیا

ڈھونڈا کریں گے شیخِ حرم جسکو مدتوں
اسلام کا وہ نیّرِ تاباں چلا گیا

روحانیت کی منزلِ تقدیس کے لیۓ
دنیائے آب و گل سے گریزاں چلا گیا

شیرازہ بندِ اُمتِ مرحوم اُٹھ گیا
ملّت کے غم میں تھا جو پریشاں چلا گیا

قندیلِ علم و آگہی خاموش ہو گئی
تھا جس کے دم سے گھر میں چراغاں چلا گیا

روشن کر دچراغ شریعت کو دہر سے
دین محمّد کا ثنا خواں چلا گیا

کیا اشک کر سکیں گے مظفر علاج غم
محرومیٔ حیات کا درماں چلا گیا

تو اذان عہد شعور ہے

امین راحت چغتائی

تو خیال و فکر کی روشنی تو ادائے عظمت بندگی
تو متاع جادۂ شوق بھی تو ہی ذوقِ منزل آگہی

ترے غم میں آنسو بہائیں کیوں ترے غم سے عزم جواں ملے
تو اذان عہد شعور ہے ترے دم سے خم سر خواجگی

میرے بعد

سہ روزہ دعوت دہلی
عزیز بگھروی

زخم کو دیں گے کبھی داغ ضیا میرے بعد
گل نہ ہونے پائے گی قندیل وفا میرے بعد

شعلۂ عشق سیہ پوش تھا مجھ سے پہلے
رشکِ خورشید جہاں تاب ہوا میرے بعد

زندگی شہر خموشاں کو عطا کی میں نے
جاگ اٹھا قافلہ صوت و صدا میرے بعد

تیشۂ دل سے مرے ہل گیا مقتل کا وجود
وہ جو تھا سحر جفا ٹوٹ گیا میرے بعد

سو گئی ساز کی لے ٹوٹ گئے چنگ و رباب
وقت پہ چھا گئی آوازِ وفا میرے بعد

کچھ تجھے بھول گئے تھے زمانے والے
پھر سے پیمانِ وفا تازہ ہوا میرے بعد

ختم تب ہو گئیں دشواریاں رفتہ رفتہ
جادۂ شوق میں کانٹا نہ رہا میرے بعد

سو نہ جائیں یہ کہو دشت کے کانٹوں سے عزیز
اور نہ آئیں گے ابھی آبلہ پا میرے بعد

آہ سیّد مودودیؒ

عابد نظامی

آئینہ مایۂ صد کیف و کم ابوالاعلیٰ
فریدِ بزمِ وطن، محترم ابوالاعلیٰ

نثارِ جلوہ شمعِ حرم ابوالاعلیٰ
فدائے سیرتِ شاہِ امم ابوالاعلیٰ

وفا شعار و خلیق و متیں و شعلہ بیاں
ممیزِ باطل و حق، محترم ابوالاعلیٰ

طبیبِ قوم، مسیحائے ملک، عالمِ دیں
وحید، مردِ زبان و قلم ابوالاعلیٰ

حریفِ گردشِ دوراں، مجاہدِ عالم
مسافرِ رہِ صد پیچ و خم ابوالاعلیٰ

نگارِ بزمِ مسلمان، فقیہہ شہرِ عمل
حسین احمد و صد محترم ابوالاعلیٰ

مقامِ عظمت و اعزاز در جہاں داری
چراغِ راہ کہ نقشِ قدم ابوالاعلیٰ

تمام عمر زِ دل کرد خدمت اسلام
نوشتہ صدہا کتب بیش وکم ابوالاعلیٰ

در اعتبار زمانہ تو کامیاب شدی
شکست داد تو ہر دورِ غم ابوالاعلیٰ

ہزارہا گلِ زخمِ دل وجگر رخشاں
فگارِ نشترِ رنج والم ابوالاعلیٰ

بفیض الفتِ ملت ترا بفیض وفا
زمانہ داد مقام حشم ابوالاعلیٰ

علاجِ مرگ نہ دارد کسے بجز خالق
مسافرِ رہ ملک عدم ابوالاعلیٰ
حسین مصرعۂ تاریخ گفت اے بیتاب
سفیرِ صدق محتشم ابوالاعلیٰ

عظیم انسان

مسلم غازی

(۱)

چراغ اک بجھ گیا ہے آگہی کا
منارہ گر گیا ہے روشنی کا

(۲)

ہمیشہ اس کو روئے گا زمانہ
عظیم انسان تھا وہ اس صدی کا

(۳)

ہوائیں لا رہی ہیں شورِ ماتم
زمانہ وقفِ حسرت ہو گیا ہے

(۴)

بپا ہے حشر اک عالم میں غازی
عظیم انسان رخصت ہو گیا ہے

(۵)

پریشاں اُمتِ خیر الورٰی ہے
"نسیمے از حجاز آید کہ ناید"

(۶)

ہر اک دل مضطرب ہے آج غازی
"دگر دانائے راز آید کہ ناید"

(۷)

سیدؒ کی موت علم کی حکمت کی موت ہے
ایثار و حلم، خلق و شرافت کی موت ہے

(۸)

جس نے دل و دماغ کو مبہوت کر دیا
وہ شارحِ کتاب ہدایت کی موت ہے

صد عہد آفریں تھی تری ذات باصفات
کیا کہئیے تیرے سانحۂ ارتحال کو
ہر چند "تو نہیں ہے، ہر بزم روزگار
"ثبت است بر جریدۂ عالم دوام" تو

——— انور دہلوی

یقیں نہیں آتا

انوار عزمی

چراغ علم بجھا ہے یقیں نہیں آتا
یہ سانحہ بھی ہوا ہے یقیں نہیں آتا

دل و دماغ منور ہیں جس کی کرنوں سے
وہ چاند ڈوب گیا ہے یقیں نہیں آتا

دلا رہا ہے زمانہ یقین مگر یارو
خموش شہر وفا ہے، یقیں نہیں آتا

جو کر رہا تھا فروزاں دیئے محبت کے
وہ ہم سے روٹھ گیا ہے یقیں نہیں آتا

جہاں ہیں اس کے مراتب سے لوگ ناواقف
وہاں بھی حشر بپا ہے یقیں نہیں آتا

اگرچہ گرم ہیں اس کے وصال کی خبریں
مگر دل کی صدا ہے یقیں نہیں آتا

ہمیں نصیب رفاقت تھی جس کی مدت سے
وہ آج ہم سے جدا ہے یقیں نہیں آتا

دیارِ دل میں جو مہمان ہے ایک مدت سے
وصال اس کا ہوا ہے یقیں نہیں آتا
شکست فاش جو دیتا رہا ہے اندھیروں کو
خموش اب وہ دیا ہے یقیں نہیں آتا

قطعات

سید ذوالفقار علی رسوا دہلوی

جن کو منظور تھی دل و جاں سے
ملک و ملّت کی اپنے بہبودی
دارِ فانی سے ہو گئے رخصت
مردِ غازی جناب مودودیؒ

★

پارہ پارہ ہے دل مرا صد حیف
کون دنیا سے اٹھ گیا صد حیف
صدیاں درکار ہیں کہ پیدا ہو
ایسا مردِ حق آشنا صد حیف"

★

موتُ عَالِم کی مرگُ عالم ہے

اسرار احمد سہاروی

زندگی سب کی آنی جانی ہے
آپ کی موت ناگہانی ہے

کیوں خفا ہو گئے ہیں مولانا
کیا کوئی ہم سے بدگمانی ہے

گرچہ ہے مرگ پیر لیکن آہ!
دل بہ ضد ہے کہ ناگہانی ہے

موت عالِم کی مرگ عالم ہے
سخت دل دوز یہ کہانی ہے

دشمنوں کا ہجوم ہے اب بھی
سخت ساعت ابھی تو آنی ہے

کون جرأت سے وار روکے گا
سخت حملہ ہے ناگہانی ہے

قوم کے حوصلے ہیں پست ابھی
اس کی ہمت ابھی بڑھانی ہے

آپ کو نیند آگئی کیسی!
بے محل ہے عجب دوانی ہے،

کچھ تو للہ صبر کر لیجیے،
کیوں سفر کی دھن میں ٹھانی ہے

کچھ تو اپنوں کا حق تھا مولانا
غیر کی بات آج مانی ہے

مومنوں کے گھر دل میں ماتم ہے
کفر کے گھر میں شادمانی ہے

آفتابِ مشرق

بوگ یوسفی

صدمۂ جانکاہ کا عالم بقید ہوش ہے
آفتابِ مشرقِ علم و ادب خاموش ہے

آنکھ سے تا دل یہاں رنج و تعب کیسے نہ ہو
موت عالِم موت عالَم ہو کیسے نہ ہو

عالم امکاں میں شاید حشر اک برپا ہُوا
اک چراغ علم و دانش بجھ گیا یہ کیا ہُوا

کون سمجھائے گا اب تفہیم قرآن مجید
آج تو تفسیر قرآں کے بھی آنسو ہیں شدید

ظلمتوں کے رنگ میں شاہد سویرا ہو گیا
کس کے مرنے سے زمانے میں اندھیرا ہو گیا

حشر تک بھیجیں گے اربابِ قلم اپنے سلام
حشر تک پائندہ ہے علامہ مودودی کا نام

تیری تصنیفات کا ہر لفظ سورج کی کرن
اک چراغ نور تھا انجمن در انجمن

بھول سکتے ہی نہیں تجھ کو وطن کے صبح شام
تجھ پہ نظروں کے درود اور تجھ پہ آنکھوں کے سلام

آج تو چشمِ قلم سے اشک جاری ہیں مدام
آگیا ہے میرے لب پہ مرگِ مودودی کا نام

نہ رہا

سید ذوالفقار علی رسوا دہلوی

کلمۂ حق رقم کہ تھا نہ رہا
اک دبیرِ عجم کہ تھا نہ رہا
اہلِ دل اس کو روئیں گے تا حشر
"اک فقیرِ حرم کہ تھا نہ رہا"

وفاتِ نابغۂ روزگار ۱۹۷۹ء

الطاف شاھد

ہو گیا دل شدتِ غم سے دو نیم
صبر کی توفیق دے ربِ کریم
گلشنِ جاں تک جھلس کر رہ گیا
آگ برسانے لگی موجِ نسیم
اک مجدد جو کہ روحِ عصر تھا
اک مفکر جو تھا ملت کا زعیم
گالیاں سن کر دعائیں جس نے دیں
ناز جس پر حلم کو تھا وہ حلیم
وہ کہ تھا دل عالمِ اسلام کا
وہ کہ جس کا لطف تھا لطفِ عمیم
حق کا آوازہ رہی جس کی صدا
جس کا مسکن تھا ہر اک قلبِ سلیم
جا چکا ہے ہم کو تنہا چھوڑ کر
خود کو اب محسوس کرتے ہیں یتیم

فکرِ مخفی تاریخ کی شاہد بے مجھے
یوں کہا ہاتف نے خود بن کر کلیم
کہہ علے الاعلان یہ تاریخ کہ
کس لئے خاموش بیٹھا ہے ندیم؟
علم کی دنیا سے رخصت ہو گیا
شارحِ منہاجِ قرآن عظیم

مادہ ہائے تاریخ وفات

"یا غفورُ ایزدِ بے نیاز" ۹۹ — ھ — ۱۳
"موت العالِم، موت العالَم الاسلام" ۹۹-۱۳ ہجری

قطعۂ تاریخ وفاتِ زاہدِ نیک
۱۹۷۹ء

"اسلامی رہنما، عالم، مدبر، محقق، مفسر، مصنف و فلسفی" ۹۹ - ۱۳ ہجری
"عدیم المثال بانی جماعت اسلامی پاکستان" ۱۹۷۹ء
"دل آویز نتیجۂ فکر انتخاب کمال" ۷۹-۶-۱۹

حکیم سید اکرام حسین سیکری

سیّد مودودیؒ

ریاض حسین انور

(۱)

مردِ روشن ضمیر مودودی
آپ اپنی نظیر مودودی

(۲)

نوجوانوں کا قائدِ اعلیٰ
پیر سالوں کا پیر مودودی

(۳)

کیوں نہ طاغوت کا ہدف ہوتا،
شرک پہ خرف گیر مودودی

(۴)

قلبِ باطل میں اس صدی کے لئے
دستِ قدرت کا تیر مودودی

(۵)

جس پہ زنداں بھی ناز کرتا ہے
ایک ایسا اسیر مودودی

(۶)

فاتح دار صاحب کردار

اس صدی کا ضمیر مودودیؒ

(۷)

بہر عقبیٰ تھا جس کا جہد و عمل

ایسا سادہ اجیر مودودیؒ

(۸)

علم و دانش میں سربلند مگر

حق کی خاطر حقیر مودودیؒ

(۹)

ذرّہ کم عیار ہے انوار

اور ماہِ منیر مودودیؒ

★

کہاں سے لاؤ گے اب ایسا راہبر لوگو!

حسن عسکری فاطمی

مثالِ سرو تھا دینِ مبین کے آنگن میں
وہ ایک گُل کہ نمایاں تھا سارے گلشن میں
چراغِ نور تھا اسلام کے نشیمن میں
متاعِ علم تھا انسانیت کے دامن میں

دیارِ غیر میں جاں سے گزر گیا لوگو
تمہیں خبر بھی ہے یہ کون مر گیا لوگو

تمام عمر جو کرتا رہا مسیحائی
وہ محترم مرا سید، علیؓ کا شیدائی
نظامِ عدل کا داعی، نبیؐ کا سودائی
وطن سے دور جسے زندگی نہ راس آئی

نگاہ ڈھونڈ رہی ہے کدھر گیا لوگو
وہ ہم کو چھوڑ کے اللہ کے گھر گیا لوگو

وہ تلخیوں پہ دلائل کی برف رکھتا تھا
کشادہ دل تھا سمندر کا ظرف رکھتا تھا
بصیرتوں میں قیامت کا ژرف رکھتا تھا
جو گمرہی پہ ہدایت کے حرف رکھتا تھا

وہ پیر و مرشد و سردار مر گیا لوگو!
ہمارا قافلہ سالار مر گیا لوگو!

اداس سرو و سمن ہیں میں کسکو پرسا دوں
غموں سے چور برادر ہیں میں کس پہ پرسا دوں
نڈھال بھائی بہن ہیں میں کس کو پرسا دوں
ملول اہل وطن ہیں۔ میں کس کو پرسا دوں

ہر اک کو خون کے آنسو رُلا گیا لوگو
ہمیں اجاڑ کے دستِ قضا گیا لوگو

وہ اپنے عہد کی آواز تھا گجر کی طرح
اندھیری رات میں روشن تھا بام و در کیطرح
وہ مہرباں تھا مصیبت میں اپنے گھر کیطرح
وہ سایہ دار تھا صحرا میں اک شجر کی طرح

وہ باوقار تھا۔ روشن ضمیر تھا لوگو
وہ روشنی کی مسلسل لکیر تھا لوگو

وہ دودمانِ طریقت کا ایک شہزادہ
درست راہ بھی جس کی صحیح تھا جادہ
جہانِ ظلم میں مہر و وفا کا دلدادہ
عدو بھی آئے تو لطف و کرم پہ آمادہ

وہ مر گیا ہے تو اب پیٹو اپنا سر لوگو
کہاں سے لاؤ گے اب ایسا راہبر لوگو

وہ غم شناس، وہ ہمدرد و چارہ گر کی طرح
وفا کی اساس محبت میں راہگذر کی طرح
نشان راہ کبھی اور کبھی خضر کی طرح
وہ راہبر تھا۔ مگر ایک ہمسفر کی طرح

وہ راہبر وہ مسافر گزر گیا لوگو!
دکھا کے راہ مثالِ خضر گیا لوگو!

قائدِ اعلےٰ

عارف دہلوی، ایم اے

وہ عالِم، وہ فاضِل، وہ عابد، وہ زاہد
ہیں جس کی دیانت کے دشمن بھی شاہد
وہ قائد تھا اعلیٰ، وہ رہبر تھا اعلےٰ
وہ مردِ قلندر تھا، مردِ مجاہد

چاند

دلاور فگار

اک ہمالہ جس کے قد سے پوری دنیا آشنا
اک سمندر اپنی گہرائی سے خود ناآشنا

ایک شخصیّت کہ جس کا تجزیہ فرصت طلب
ہند سے صومال تک پھیلا ہوا بحرِ عرب

اک مفکر جو یہاں موجود ہے بعد عدم
اک منارہ کوہساروں کی طرح ثابت قدم

صبر کی یہ حد، برائی کو بھلا دیتا تھا وُہ
ظرف کا یہ حال دشمن کو دعا دیتا تھا وہ

وہ مفکر تھا مصنف تھا کہ خدمت گار تھا
چاہے جس پہلو سے دیکھو وہ دیانتدار تھا

یہ حقیقت کھل گئی ہے اس کی تصنیفات سے
وہ ایک اسلامی ادارہ بھی تھا اپنی ذات سے

مصلحت سے دور رہتا تھا یہ مردِ حق شناس
مصلحت مایوس ہو ئی جب بھی آئی اس کے پاس

وہ سفر میں دم توڑ سکتا تھا رک سکتا نہ تھا
نرم پودا تھا مگر آندھی میں جھک سکتا نہ تھا
زخم کھا سکتا تھا اس کا پاؤں تھک سکتا نہ تھا
"ٹوٹ تو سکتا تھا لیکن وہ لچک سکتا نہ تھا"

اس کا ماتم کیا کہ اب مارے گا دل پر تیر کون؟
یوں لکھے گا اب کلامِ پاک کی تفسیر کون؟

اس کا ماتم کیا کہ اب ہم میں ابو الاعلیٰ نہیں
روشنی رہتی ہے باقی، روشنی والا نہیں

وہ ایک ایسا چاند تھا جو صبح سے ڈرتا نہیں
فلسفی کے ساتھ اس کا فلسفہ مرتا نہیں

چاند غائب ہی سہی! موجود اس کا نور ہے
روشنی مرکز بدلنے کے لئے مجبور ہے

وہ جو زندہ تھا کہ اس دنیا میں لائے انقلاب
اس کے مرنے پر حقیقت میں بدل جائینگے خواب

کیا مورخ بھول سکتا ہے کبھی اس کام کو
مرنے والا دے گیا تابندگی اسلام کو

آہ - رخصت ہوئے ابوالاعلیٰ

راز کاشمیری

کہیئے حالِ دل حزیں کہیئے
غم ہے جو دل میں جاگزیں کہیئے

آہ! رخصت ہوئے ابوالاعلےٰ
کہیئے اور یادِ دل حزیں کہیئے

اس صدی کا وہ عالم جید
جس کو مینار نوردیں کہیئے

لکھیئے اسکو صحیفہ عرفان
خاتم علم کا نگیں کہیئے

بندۂ رب دو جہاں لکھیئے
عاشق ختم مرسلینؐ کہیئے

دین قیم کا ترجماں لکھیئے
کفر و باطل کا نکتہ چیں کہیئے

قلب روشن تھا روح تابندہ
عکس انوار تھی جبیں کہیئے

صاحبِ خلق پیکرِ اخلاص
ایک انساں تھا بہتریں کہیئے

اس کا ہر قول قولِ فیصل تھا
اس کی ہر بات تھی متیں کہیئے

اس نے ذہنوں کو روشنی بخشی
زیست پر اس کی آفریں کہیئے

اس کے پیغام میں تھا یہ مضمر
جو بھی کہیئے وہ بالیقیں کہیئے

پھول کا نام خار مت رکھیئے
جام سم کو نہ انگبیں کہیئے

تختۂ دار ہو کہ تختِ شہی
بات جو حق کے ہو قریں کہیئے

کر گئے رحلت آہ مودودی
رو رہی ہے یہ سرزمیں کہیئے

ہے افق تا افق غبارِ غم
شق ہوا سینۂ زمیں کہیئے

غم کے بادل ہیں آج یوں چھائے
گم ہے خورشیدِ علمِ دیں ہے کہئے

یہ صدی راز تھی صدی اس کی
وہ مجدّد تھا بالیقیں ہے کہئے

۱۳۹۹ھ

★

قطعہ

رہروِ راہِ عزیمت فاتحِ دار و رسن
فتحِ بابِ علم و حکمت پیرِ دانائے دل نشیں
یہ حقیقت ہے کہ سارے عالمِ اسلام میں
آج کوئی ہمسرِ سید ابوالاعلیٰ نہیں

امین طارق [illegible]

تیرا رہبر چلا گیا

: از غافل کرنالی :

کرنیں بچھا کے صبح کا پیکر چلا گیا
موتی لٹا کے ایک سمندر چلا گیا

جس کا قلم تھا غلبۂ حق کا پیامبر
وہ مردِ عصر، مردِ قلندر چلا گیا

اے قوم تیرا بلبل خوش لہجہ چپ ہوا
اے ملتِ سحر ترا رہبر چلا گیا

"تفہیم" جس کے سوزِ جنوں کی مثال ہے
وہ جاں نثارِ فکرِ پیمبر چلا گیا

دانائے آگہی تھا صداقت جمال تھا
ہمکو سحر کی راہ دکھا کر چلا گیا

جو انقلاب حق کی لگن میں لگا رہا
ایثار و آگہی کا وہ پیکر چلا گیا

ہر اہلِ فکر شدتِ غم سے نڈھال ہے
باغِ وطن سے ایک گلِ تر چلا گیا
شادابیٔ بہشتِ صداقت کے واسطے
وہ اپنا سوز و ساز لٹا کر چلا گیا
اب کون عصرِ نو کے مسائل کریگا حل
دانائے راز تو پسِ منظر چلا گیا
جس نے خموشیوں کو سکھایا تھا بولنا
کس دیس کو وہ مردِ سخن ور چلا گیا
ہر گام جس نے تیرگیوں کو شکست دی
غافل! وہ تیرا مہرِ منوّر چلا گیا

جادۂ غم

نعیم صدیقی

اشک و آہ و نالہ سے دکھ مٹا نہیں کرتے
درد والے درد کی یوں دوا نہیں کرتے

آفتاب و ماہتاب مستِ جرعہ ہائے فرض
ڈوبتے ضرور ہیں، وہ مرا نہیں کرتے

سیل گریہ رات دن کتنا بھی رواں رہے
دل کے شعلہ ہائے غم یوں بجھا نہیں کرتے

زندگی کی آفتیں، موت کی مصیبتیں،
عشق والے شکوۂ ابتلا نہیں کرتے

گر نظر بلند ہو، کبر پھر روا نہیں
اہل مدعا کبھی، ادعا نہیں کرتے

رہزنانِ وقت کو ہم سے ہے گلہ بہت
گاہے گاہے کیوں انہیں رہنما نہیں کرتے

زخم خوردہ ہیں جگر، چارہ ساز سے مگر
مرہم شفا کی ہم، التجا نہیں کرتے

کونسی وہ شام ہے جب نہ آئی یادِ یار
کونسی وہ صبح ہے جب دعا نہیں کرتے

قطعۂ تاریخِ وفات
مولانا مودودیؒ

علو کمال تقوی

بن کے مفسّر اور مفکر
رکھتا تھا جو خلق میں شہرت

مفہوم "تفہیم القرآن"
نکتہ دانِ صاحبِ سیرت

آہ کتاب علم و دانش
آہ دماغِ فہم و فراست

مکتبِ علم الحق کا معلم
درسِ شفقت، بابِ رحمت

آہ ابو الاعلیٰ مودودی
آج ہوئے دنیا سے رخصت

نوحہ خواں ہے سارا عالم
گریہ کناں ہیں اہلِ جماعت

سوچ رہا تھا کیسے لکھوں
مولانا کا سالِ رحلت

آئی ندا، اے فکر انسان
لے! ہم نے دی تجھ کو قدرت

کہہ دو کمالِ تقوی تم بھی
"عالمِ معنی داخلِ جنّت"

۱۳۹۹ھ

مہرِ تاباں چھپ گیا

مرتضیٰ خاور رحیم یار خاں

مہرِ تاباں چھپ گیا اور غم کے بادل چھا گئے
گلستاں ویراں ہوا اور پھول بھی مرجھا گئے

ہو گیا ہے آج رخصت وائے میرِ کارواں
عزم و ہمت کا نشاں اور دینِ حق کا ترجماں

خون روا ہے چشمِ تر اب دل رُبا رخصت ہوا
ملّتِ بیضا کا رہبر بوالاعلیٰ رخصت ہوا

آنسوؤں کے سلسلے ہیں کُل جہاں ہے سوگوار
ہر طرف افسردگی ہے لاکھوں دل ہیں بیقرار

قائدِ تحریک امت کا امانت دار تھا
دورِ ظلمت میں تُو ایک نور کا مینار تھا

جرأتِ اسلاف نازاں تھی تری گفتار پر
نورِ احمدؐ کی جھلک دیکھی ترے رخسار پر

تیرا سینہ علم کے انوار سے معمور تھا
عصرِ حاضر کے لئے تو اک کلیم طور تھا

صاحبِ تفہیم کیا کارِ نمایاں کر گیا
دولتِ ایمان سے کتنوں کا دامن بھر گیا

ایک مدت تک سہا ہر وارِ استبداد کا
زعمِ باطل تو نے توڑا کفر کا الحاد کا

کفر کے حامی جو تھے خادم بنے اسلام کے
شرق تا غرب جلوے ہیں تیرے پیغام کے

قرآنِ اُولیٰ کا تدبر ہے تری تفسیر میں
دعوتِ اسلام ہے ہر جا تری تحریر میں

تیری یادیں اہلِ ایماں کو بہت تڑپائیں گی
تیری پیاری رس بھری باتیں بہت یاد آئیں گی

تیری روحِ پاک پر نازل ہوں رب کی رحمتیں
عمر بھر تو نے بیاں کیں دینِ حق کی عظمتیں

وائے کیسے چھپ گیا زیرِ زمیں یہ آسماں
جس کا ہر ہر گام تھا گویا نشانِ کہکشاں

مشکلوں کے وقت خاور کس کے پاس اب جائیگا
ملک و ملت کے مسائل کون اب سلجھائیگا

بیادِ سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

ڈاکٹر اقبال سرہندی

عظمتِ سید ابو اعلیٰ کا ہو کیوں کر شمار
جس کے علم و فن نے دی پژمردہ ذہنوں کو بہار
زرد پتوں کو بھی وہ رنگ حنا دیتا گیا
دین کی کشتی کو وہ ہر دور میں کھیتا گیا

(۲)

پہلے تو وہ کرتا رہا انسان کی تفہیم
پھر غور سے کی اس نے مسلمان کی تفہیم
دونوں کو دکھانے کے لئے راہِ حقیقت
اقبال وہ پھر کر گیا قرآن کی تفہیم

(۳)

وہ شخص دین و دنیا کی دولت کما گیا
انسانیت کی روح کو جو جگمگا گیا
اک آفتابِ علم تھا جو میرے شہر میں
تاریکیوں کو روشنی دے کر چلا گیا

(۴)

اصل میں وہ زندگی کی قدر و قیمت پا گیا
بوذر و سلمان کا افسانہ وہ دُہرا گیا
صبر کے پیکر میں آہنی استقامت دیکھ کر
دورِ استبداد بھی اک بار تو تھرا گیا

(۵)

جس صدی نے کوکھ سے پیدا کیا اپنی جسے
وہ صدی آغوش میں لے کر اسے چلتی بنی

سانحہ ارتحال مولانا مودودیؒ ۱۹۷۹ء

ظاہر میں ہوئی ختم حیاتِ ابوالاعلےٰ
باطل سے مگر برسرِ پیکار رہے اب تک

سینوں میں سدا زندہ و پائندہ رہے گا،
یہ نور جو چھپ کر بھی چھپا یا رہے اب تک

— حنیف اسعدی

عہدِ حاضر کا عالم جید

راز کاشمیری

یہ بجا ہے کہ موت برحق ہے
نقش سارے جہاں کے ہیں فانی

جو بھی آیا ہے اسکو جانا ہے
ہے یہی اقتضائے ربانی

تیری رحلت مگر ابوالاعلیٰ
لے کے آئی ہے حشر سامانی

شہر در شہر سیل اشک رواں
بزم در بزم ایک ویرانی

میرا دل ہو گیا ہے صد پارہ
سن کے دھڑکن کی مرثیہ خوانی

کچھ عقیدت کے پھول لائی ہے
میری آنکھوں کی اشک افشانی

انہی آنکھوں سے میں نے دیکھی ہے
صبح انوار تیری پیشانی

چاند صورت بھی چاند سیرت بھی
نورِ قرآں سے فکر نورانی

عاشق ختم مرسلین تھا تو
خدمت دیں میں تھا تو لاثانی

وقت کا ابن تیمیہ تھا تو
اے نقیب نظام قرآنی

نوجواں فکر تو عزیز جہاں
قائد انقلاب روحانی

پھیلی خوشبو تری زمانے میں
تجھ پہ نازاں ہے نوع انسانی

تیری تحریر موتیوں کی لڑی
تیری تقریر بھی گل افشانی

تو نے ذہنوں کو دیں سے مہکایا
تو نے بخشی دلوں کو تابانی

اک تبسم جواب ہوتا تھا — سن کے دشمن کی شعلہ افشانی
عہد حاضر کے عالم جید — استقامت کے نقش لافانی
تیری تربت پہ زمانہ آیا ہے — باوضو بہر فاتحہ خوانی
رب اعلیٰ دعا ہو میری قبول — اس لحد پہ ہو رحمتوں کا نزول

قطعہ تاریخ وفات

یہ سن کر عالم اسلام پہ غم کی گھٹا چھائی
کہ رحلت آج اس دنیا سے فرماتے ہیں مودودی
کیا جب غور تو تاریخ مولانا کی نہ نکلی
وہ دیکھو شاداں سے فردوس کو جاتے ہیں مودودی

سید وزیر حسین وزیر شیرازی سرگودھا

آہ سیّد مودودیؒ

یعقوب طاہر

یہ کس نے صبحدم میرا کلیجہ کردیا چھلنی
سُنا کر مردِ حق کی موت کی مجھ کو خبر لوگو

وُہ مردِ حق جو آیت تھا از آیاتِ خداوندی
وُہ مردِ حق زمانے بھر پہ تھی جس کی نظر لوگو

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روئی تھی
چمن میں تب کہیں پیدا ہُوا تھا دیدہ ور لوگو

وہ تہذیبِ فرنگی کی فسوں کاری کا دانا تھا
وہ جو ہر فتنۂ ابلیس سے تھا بہرہ ور لوگو

اک اک کانٹا لیا ہاتھوں سے چن کر رکھ دیا پل میں
وہ اک ایسا مسیحا تھا اک ایسا چارہ گر لوگو

فقط لا ہی کا خنجر اس نے دنیا میں نہ لہرایا
دکھائے اس نے اِلّا کے بھی جوہر کھول کر لوگو

نہ چھوڑی راہ حق، ہر چند اس کو اہل باطل نے
گزارا صحنِ زنداں سے چڑھایا دار پہ لوگو

زباں ایسی تھی، استدلال میں وہ زور تھا اس کے
نہ ٹھہرا جس کے آگے کوئی بھی شوریدہ سر لوگو

کتابِ زندگی جس نے پڑھی دیوانہ وار اُٹھا
لڑا باطل سے ہر میدان میں بے تیغ و تیر لوگو

ہزاروں تشنگانِ علم گھر سے اور باہر سے
نت آتے تھے کہ وہ عشاق کا تھا راہبر لوگو

بنایا مذہبِ جامد کو اک تحریک دنیا میں
ہیں شاہد عالم اسلام کے دیوار و در لوگو

عقابی روح کی بیدار ملت کے جوانوں میں
زمانے بھر میں جو تحریک کے ہیں بال و پر لوگو

لحد پر آپ کی برسیں شعاعیں نور کی ہر دم
رہے سایہ فگن تجھ پر تجلی طور کی ہر دم

لحد کے بعد برزخ کے مراحل تجھ پہ آساں ہوں
خدا کی رحمتیں محشر کے دن تیری نگہباں ہوں

رسولِ پاک کے قدموں تلے اے بیدار والا
ملے اللہ کی رحمت سے تجھ کو مرتبہ اعلیٰ

سیدی مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی یاد میں

محمد سلیمان رفیق نوشہروی

وہ محسن و شفیق ہمارا کدھر گیا
وہ دل کا نور آنکھ کا تارا کدھر گیا

تھا آفتابِ رشد و ہدایت کہ ضوفشاں
جس نے دلوں میں نور اتارا کدھر گیا

جو شب کی ظلمتوں میں سحر کا پیام تھا
ظلمت شکن وہ صبح کا تارا کدھر گیا

تھا جس کے دم سے قافلۂ حق رواں دواں
وہ رہروانِ حق کا سہارا کدھر گیا

اک تیغ آبدار وہ شمشیر بے نیام
موڑا تھا جس نے کفر کا دھارا کدھر گیا

جس نے خدا کی یاد میں سوز و یقین کے ساتھ
ہر لمحہ زندگی کا گزارا کدھر گیا

یارب وہ تیرے دین کی عظمت کا اک نشاں
اپنوں کے جور و ظلم کا مارا کدھر گیا
جس کو خدا کی راہ میں صبر و سکوں کے ساتھ
دنیا کا ہر ستم تھا گوارا کدھر گیا
دنیائے علم و فن کا وہ اک بحرِ بیکراں
ملتا نہیں تھا جس کا کنارا کدھر گیا

خونِ دل و جگر سے بصد تزک و احتشام
جس نے چمن کا رنگ نکھارا کدھر گیا
ہوتے ہیں لوگ جس سے خدا کے قریب تر
اس رہگذر کو جس نے سنوارا کدھر گیا
اس دور کے عظیم مفکر نے اے خدا
کیوں کر لیا ہے ہم سے کنارا کدھر گیا
دل جس کے غم میں خون کے آنسو ہے رو رہا
کوئی مجھے بتائے خدارا کدھر گیا
یارب کیا تھا تو نے جسے خود ہی انتخاب
تیرا جو انتخاب تھا پیارا کدھر گیا

آہ سید مودودیؒ

اسلام کا وہ مہرِ درخشاں چلا گیا
دینِ ہدیٰ کا نیرِ تاباں چلا گیا

ڈھونڈیں گے لوگ فاتح دار و رسن کو اب
وہ راہ نوردِ جادۂ زنداں چلا گیا

تھے تخت و تاج جس کے زمانے میں سرنگوں
دنیا سے اب وہ فاتح دوراں چلا گیا

پھلتا رہے گا بول تو سدا گلشنِ جہاد
اس گلستاں سے عہد بہاراں چلا گیا

وہ مژدہ اقامت دیں کا نقیب تھا
فرماں نگار سنت و قرآں چلا گیا

دنیا ہے محوِ غم ابوالاعلیٰ کے سطے
اقدس کو ہے یہ درد کہ انساں چلا گیا

★

حافظ ظہور علی شاہ اقدس

یارب وہ تیرے دین کی عظمت کا اک نشاں
اپنوں کے جور و ظلم کا مارا کدھر گیا
جس کو خدا کی راہ میں صبر و سکوں کے ساتھ
دنیا کا ہر ستم تھا گوارا کدھر گیا
دنیائے علم و فن کا وہ اک بحر بیکراں
ملتا نہیں تھا جس کا کنارا کدھر گیا

خونِ دل و جگر سے بصد تزک و احتشام
جس نے چمن کا رنگ نکھارا کدھر گیا
ہوتے ہیں لوگ جس سے خدا کے قریب تر
اس رہگذر کو جس نے سنوارا کدھر گیا
اس دور کے عظیم مفکر نے اے خدا
کیوں کر لیا ہے ہم سے کنارا کدھر گیا
دل جس کے غم میں خون کے آنسو ہے رو رہا
کوئی مجھے بتائے خدارا کدھر گیا
یارب کیا تھا تو نے جسے خود ہی انتخاب
تیرا جو انتخاب تھا پیارا کدھر گیا

آہ سیّد مودودیؒ

اسلام کا وہ مہرِ درخشاں چلا گیا
دینِ ہدیٰ کا نیّرِ تاباں چلا گیا

ڈھونڈیں گے لوگ فاتحِ دار و رسن کو اب
وہ راہ نوردِ جادۂ زنداں چلا گیا

تھے تخت و تاج جس کے زمانے میں سرنگوں
دنیا سے اب وہ فاتحِ دوراں چلا گیا

پھلتا رہے گا بول تو سدا گلشنِ جہاد
اس گلستان سے عہدِ بہاراں چلا گیا

وہ مژدہ اقامتِ دیں کا نقیب تھا
فرماں نگارِ سنت و قرآں چلا گیا،

دنیا ہے محوِ غمِ ابوالاعلیٰؒ کے سوگ سے
اقدسؔ کہ ہے یہ درد کہ انساں چلا گیا

★

حافظ ظہور علی شاہ اقدس

★

سیّد مودودیؒ

——— کمالؔ سالارپوری

بھٹکے ہوؤں کو دینِ ہدیٰ دے کے چل دیئے
بہکے ہوؤں کو عشقِ خدا دے کے چل دیئے

جن دشمنوں نے گالیاں دیں عمر بھر انہیں
اُن دشمنوں کے حق میں دُعا دے کے چل دیئے

الحاد و دہریت کے مریضوں کے واسطے
روحانیت نواز شفا دے کے چل دیئے

مجھ سے کئی ہزار مریضوں کے اے کمالؔ
تاریک روز و شب کو ضیا دے کے چل دیئے

بحرِ سکون وقت میں طوفاں اٹھا دیا
خاموش زندگی کو نوا دے کے چل دیئے

کجلا گئی تھی حرص و ہوس کے غبار سے
پھر آتشِ وفا کو ہوا دے کے چل دیئے

ہر غم زدہ کو ذوقِ تبسّم عطا کیا
ہر اِک مریضِ غم کو شفا دے کے چل دیئے
پُرسوز نا جس کا اب نظر آتا نہیں کمال
فکر و نظر کو ایسا خلا دے کے چل دیئے

آہ! سیّد مودودی

عابد کماوی ایم اے

۱- عمر بھر روشنی بانٹتے بانٹتے
علم کو زندگی بانٹتے بانٹتے
صحن گلشن سے وہ اسطرح اٹھ گیا
پھول سے جیسے ہوتی ہے خوشبو جدا

۲- اس کے جانے پر نوحہ کناں ہے وطن
آج نمناک ہے چشم ہر مرد و زن
حادثہ یہ اچانک ہی کیا ہو گیا

۳- آفریں، آفریں اسکی ہر بات پر
علم کو ناز ہے اس کے خطبات پر
وہ محبت کا تھا اک حسین زمزمہ

۴- عمر بھر خدمت دین اسلام کی
نوجوانوں کو اس نے جہاں فکر دی
ساری دنیا میں وہ شخص مقبول تھا

---

۵ وہ مفسر، مفکر وہ تاریخ داں،
لوٹ کر اب نہ آئے گا وہ نکتہ داں
ایک مرد خود آگاہ تھا وہ نہ رہا

۶ گتھیاں اس نے سلجھائیں الجھی ہوئی پورے عالم میں تعظیم اس کو ملی
فدوی دین تھا، متقی، پارسا

---

۷ روح زخمی ہے اور دل پہ قابو نہیں دوستو! میں دلاؤں یہ کیسے یقیں
آج عابد نے کس طرح نوحہ لکھا

رشد و ہدایت کا ماہتاب

احسان دانش

وا ہے نگاہ و دل پہ غمِ بے اماں کا باب
کیا کیا دکھا رہا ہے زمانے کا انقلاب

افسوس ہے کہ دستِ قضا نے اچک لیا
اک پھول تھا جو سارے گلستاں میں انتخاب

بجھ کر رہی وہ شمعِ ہدایت کی روشنی
کرتے تھے جس سے ثابت و سیار اکتساب

ماتم ہے اسکا گشت و گزر میں جہاں تہاں
کشتِ محمدی پہ برستا تھا اک سحاب

وہ جا چکا نگاہ کے پردوں سے دور تر
انسانیت تھی جس کے تفکر پہ بے نقاب

ششدر ہے بزمِ علم و عمل، تشنگی یتیم
تھا اس کا فکر روئے عقائد کی آب و تاب

اچھرہ کی سرزمین میں وہ پیوندِ خاک ہے
کل تک رہا جو رشد و ہدایت کا ماہتاب

رخصت ہوا وہ دانش و بینش کا مردِ خاص
پیشِ نظر تھی جس کے سدا سنت و کتاب

ہے نطقِ زندگی کا نتیجہ سکوتِ مرگ
فرزانگی کے لاکھوں سوالوں کا اک جواب

میرے ادب میں بھی ہے اس روشنی کا رنگ
قطرے نے بھی کیا ہے سمندر سے اکتساب

حاصل رہا ہے مجھ کو ملاقات کا شرف
مٹی کا اک چراغ تھا سورج سے فیضیاب

اللہ اس پہ بارشِ رحمت ہو دم بدم،
اس کے لئے کھلیں ترے لطف و کرم کے باب

نہ وُہ کیف ہے نہ وُہ زندگی
نہ وُہ دل رہا نہ وُہ دلستاں

بشکریہ معارف، اعظم گڑھ

مرا دردِ عشق بھی خوب ہے، ہے عجیب کچھ مری داستاں
کوئی خار جیسے چبھا چبھا نہ نہاں نہاں نہ عیاں عیاں

کئی دن سے ہیں وہ خفا خفا، کئی دن سے ہیں وہ کشاں کشاں
کوئی شمع جیسے بجھی بجھی، کوئی شام جیسے دھواں دھواں

یہ ادائے گیسوئے عنبریں کہ ہو چھائی جیسے گھٹا کہیں
یہ خرامِ نازک و دل نشیں، یہ نسیم صبح رواں دواں

وہ ادائے حسنِ سخن کہ ہم جو سنیں تو بھولیں جہاں کے غم
وہ نگاہ ملتفت و کرم جو بنی پیام نشاطِ جاں

ملے خلد بھی تو نہ لیں گے ہم، کوئی کچھ کہے نہ سنیں گے ہم
ہمیں ہاں عزیز تو ایک وہ، نہ تو ماہ و گل نہ کہکشاں

کبھی عشرتوں میں جہاں کے ہم گئے بھول تیرے غم و الم
کبھی تیری زلفوں کے پیچ و خم نے بھلا دیئے غم دو جہاں

وہ جمالِ حسنِ مجاز تھا کہ خیالِ زلف دراز تھا،
کوئی سوزِ نغمۂ ساز تھا، کبھی تھا کوئی مرا رازداں

وہ پیامِ حسنِ بتاں سہی، وہ حکایتِ دل و جاں سہی
وہ یقیں سہی کہ گماں سہی، میرا ذوق گم تھا کہاں کہاں

نہ وہ خضرِ راہ کی رہبری نہ ایاز ہے نہ وہ غزنوی
نہ وہ کیف ہے نہ وہ زندگی، نہ وہ دل رہا نہ وہ داستاں

انہیں جان و روحِ چمن کہیں کہ بسنتِ حسنِ سخن کہیں
انہیں کیسے وعدہ شکن کہیں نہ نہیں ہے انکی نہ انکی ہاں

سیّد محترم

غافل کرنالی

قائد انقلاب اسلامی
جب سے تو نے سفر تمام کیا
آنکھ میں آنسوؤں کی رم جھم ہے
روح میں درد نے مقام کیا

سید قوم! تیری فرقت میں
اک قیامت گذر گئی ہم پر
ہم ترے بعد کیسے زندہ ہیں
موت الزام دھر گئی ہم پر

آہ وہ تیرا دل نشیں انداز
وہ تری گفتگو قرینے کی
ترے انکار میں جھلکتی تھی
سرمدی روشنی مدینے کی

سید محترم! ترے بیٹے
نقش باطل مٹا کے دم لینگے
اور ہر گوشہ ہائے عزبت میں
سبز کرمیں بچھا کے دم لیں گے

عزم ہے تیرے نوجوانوں کا
پرچم حق بلند کرنا ہے
ساری دنیا میں ترے نام کیساتھ
دین کو ارجمند کرنا ہے

مردِ حق آشنا تری باتیں / ہیں جواں روشنی کا مینارہ
جس نے ہم کو شعورِ حق بخشا / تیری تحریر ہے وہ شہ پارہ

رہنمائے سحر! ترا انداز / فصلِ گل کی طرح جمالی تھا
تیری گفتار بھی مثالی تھی / ترا کردار بھی مثالی تھا

تیرا ہر لفظ روشنی کی دلیل / چشمِ نور تھا قلم تیرا
نقشِ الحاد کو مٹا ڈالا / جس جگہ بھی پڑا قدم ترا

تو نے تہذیب کے غلاموں کو / کر دیا دینِ حق کا شیدائی
بن گئے رہنمائے فکر و نظر / تیرے سوزِ نفس کی رعنائی

تیرے مرقد پہ حاضری دینے / قافلے روشنی کے آئیں گے
تیرے الفاظ ساری دنیا میں / خیبر کا انقلاب لائیں گے

داعی تحریک اسلامی

کیوں نہ لوگوں کے کلیجے ہوں وفورِ غم سے شق
سینکڑوں شمعیں جلائیں جس نے راہ زیست میں
اٹھ گیا ہے دیکھتے ہی دیکھتے وہ مرد حق
کیوں نہ ہو ہم کو بھلا اس کے بچھڑنے کا قلق
جس نے ہر لمحہ گزارا مرد مومن کی طرح
عمر بھر جو دینِ حق کی راہ دکھلاتا رہا،
فخر کے لائق ہے جس کی زندگی کا ہر ورق
جس نے لوگوں کو پڑھایا آدمیت کا سبق
کانپ جاتا تھا صدا سے جس کے قلب اہرمن،
کل تھا ہم میں آج ہے آرام فرما خلد میں
جس کے رعب و دبدبے سے چہرہ باطل تھا فق
داعی تحریک اسلامی رفیق اہل حق ہے،

یہ کس کا جنازہ ہے؟

نعیم صدیقی

ہر سقف پہ، راہوں میں، انبوہ بنی آدم
اشکوں کی رواں لڑیاں، چہروں سے نمایاں غم
غوغا ہے، نہ شورش ہے، سنجیدہ سا ہے ماتم
ہر دل میں جراحت ہے، عنقا ہے مگر مرہم
حیرت زدہ آنکھیں ہیں، ہے کیا ہی عجب عالم

یہ کس کا جنازہ ہے!

ہر روز بشر کتنے، دنیا سے گذرتے ہیں
کچھ جیتے ہوئے مردہ! کچھ آئی سے مرتے ہیں
جینے سے بھی ڈرتے ہیں، مرنے سے بھی ڈرتے ہیں

یہ کس کا جنازہ ہے، انوار اُبھرتے ہیں
افلاک سے نوری بھی صف بستہ اترتے ہیں

یہ کس کا جنازہ ہے!

ہمراہ جنازے کے جسموں کی شعاعیں ہیں
طاؤس ازل کی کچھ، دلدوز صدائیں ہیں
پُر نور فضائیں ہیں، جنت کی ہوائیں ہیں

کچھ اہل تقدس کی، پاکیزہ دُعائیں ہیں
اللہ کی جانب سے، رحمت ہے عطائیں ہیں

یہ کس کا جنازہ ہے!

راغب مرادآبادی

قطعہ

حق گوئی کا تھے حصن حصین سید ابوالاعلیٰ مودودی
دانائے رموز حکمت دیں سید ابوالاعلیٰ مودودی
حیرت میں ان کی جرأت پہ زنداں کے در و دیوار اب تک
باطل سے ہوئے مرعوب کہیں سید ابوالاعلیٰ مودودی
شیدائے رسول اکرمؐ تھے اک عمر رہے بے عیب وریا
مشغول فروغ دین مبیں سید ابوالاعلیٰ مودودی
منشائے مشیت کے آگے خم اپنا سر تسلیم کیا
تھے حضرت ارباب یقیں سید ابوالاعلیٰ مودودی

مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

نعیم صدیقی

کہیں تاروں سے خون نہ ٹپکنے لگے
مجھے ڈر ہے کہ بجلی کڑکنے لگے

کہیں آگ نہ ہر سو بھڑکنے لگے
کسی بحر کی لہر بہکنے لگے

کوئی کوہ لرز کے تھرکنے لگے
کہیں خاک کے ذرّے تڑخ نہ اٹھیں

کہیں پارۂ سنگ پھڑکنے لگے
ہے رواں جو زمانے کا قافلہ

رہِ کاہکشاں سے بھٹکنے لگے
مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

مرا سازِ لطیف حُباب سا ہے
یہی سمجھو کہ نقش سراب سا ہے

گل و نرگس و لالہ کا خواب سا ہے
مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

کہیں ٹوٹ نہ جائے یہ خوابِ سحر
کہ وجود ہے اس کا طلسمِ نظر

یہ ہے محض تجسمِ ذوقِ ہنر
مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

مرے ساز کی روح ستم زدہ ہے
مرے ساز کا زخم بھی غم زدہ ہے

جو بھی پردہ ہے، پردۂ نم زدہ ہے
مرے ساز نوا کو نہ چھیڑنا

مرے ساز پہ سحر کا طاری ہے پل
وہ اٹھا ہے جنازۂ مرد اجل

چلا رو بڑھ کے داعئ ذوقِ عمل
مرے ساز نوا کو نہ چھیڑنا

مرا ساز ہے قلب تپاں کی طرح
کسی دیدۂ اشک فشاں کی طرح

کسی نیم شبانہ فغاں کی طرح
مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

کہیں گرم بگولے نہ چکرائیں — کہیں تند ہوائیں نہ ٹکرائیں
کہیں تارے فلک سے نہ جھڑ جائیں — مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑ نا
کہیں انگلیاں اپنی جلا ہی نہ لو — کہیں قلب کے ٹکڑے اڑا ہی نہ لو

کہیں سہو سے حشر اٹھا ہی نہ لو
مرے سازِ نوا کو نہ چھیڑنا

* نعیم صدیقی

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

طویل راہوں سے آنے والو　　بڑے تحیر سے دیکھتے ہو
قریب آؤ، بتاؤ، سمجھو　　کسی سے کیا چیز چاہتے ہو
پتہ یہ تم کس کا پوچھتے ہو　　وہ کون ہے جسکو ڈھونڈتے ہو
وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

وہ اک شجر تھا مثالِ طوبےٰ　　تم اس کی چھاؤں میں بیٹھتے تھے
دلوں کے دکھ درد کھولتے تھے　　سوال پیچیدہ پوچھتے تھے
پھر اس حکیم حلیم سے سن کے　　حرفِ اخلاص جھومتے تھے
وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

وہ اک مفکر، وہ اک مدبر　　خدا کی آیات کا مفسر
دماغ کے تجزیہ پہ قادر　　قلوب کے تزکیہ کا ماہر
طویل راہوں پہ جا چکا ہے　　وہ منزلِ خلد کا مسافر
وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

وہ شخص اب اک سحر کی صورت　　جہاں میں پھیلا ہوا ملے گا
رہ خدا کی سیاہیوں کی　　دعاؤں میں وہ رچا ملے گا
ستیزہ گاہوں میں جاں لڑاؤ　　تو واں وہ خود تم سے آ ملیگا

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

وہ روشنی اک بکھرنے والی　　کہیں نہیں ہے مقام اس کا
وہ ان کے جذبات میں ہے شامل　　جو لے کے نکلیں پیام اس کا
اقامتِ دینِ حق کی خاطر　　جو کرتے پھرتے ہیں کام اسکا

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

کتابِ دوراں کے ہر ورق پر　　حیات اس کی رقم شدہ ہے
ہزاروں سینوں کا دردِ پنہاں　　فغاں میں اس کی بہم شدہ ہے
کئی صدی کا جہادِ پیہم　　مساعی میں اس کی ضم شدہ ہے

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

نظامِ اسلام آئے گا جب　　تو اس کا تازہ ظہور ہو گا
جہاں میں شور نشور ہو گا　　وقوعِ محشر ضرور ہو گا
وہ دے گیا ہے خبر سحر کی　　اندھیرا باطل کا دور ہو گا

وہ شخص اب یاں نہیں ملے گا

نہیں وہ موجود گو بظاہر　　جگہ جگہ ہے سراغ اس کا
وہی ہے ساقی، اس کی محفل　　ایاغ اس کا، چراغ اس کا
ہزاروں دل ہیں کہ جن کے اندر　　جھلک رہا ہے دماغ اس کا

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

ذرا سے خاکی وجود میں وہ　　رہا ہے برسوں تک سمٹ کر

بدن کا بوسیدہ خول ٹوٹا عبار خاکی رہا ہے چھٹ کر
شعاعوں کے پر لگا کے اب وہ حضور یزداں گیا پلٹ کر

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

نہ رُو دا سکو جلوہ فرما وہ کہکشاں تا بہ کہکشاں ہے
فراز حقیقت کے سبزہ زاروں میں رونق بزم قدسیاں ہے
ہوا مقرب وہ انبیاؑ کا وہ آج، مخدوم نوریاں ہے

وہ شخص اب یاں نہیں ملیگا

مینارۂ نور

تو ادائے حرف و قلم بھی تھا — تو بصیرتوں کا بھرم بھی تھا
تری گفتگو میں مٹھاس بھی — تو حرم کا رمز شناس بھی
کہ تو صرف ذوقِ سلیم تھا
درِ مصطفےٰؐ پہ مقیم تھا
تو ثبات اہلِ یقیں بھی تھا، — تو فروغ دینِ متیں بھی تھا
کہ تو اک منارۂ نور تھا — جو تمام فکر و شعور تھا
جسے آندھیاں نہ بجھا سکیں،
جسے ظلمتیں نہ مٹا سکیں
تو شکست موت سے کھا گیا — ہمیں اپنے ساتھ بچھا گیا
تو مگر حیات نشاں ہوا — تو جمالِ کاہکشاں ہوا
تری فکر ابد کا پیام ہے
تری آگہی کو سلام ہے

★

اختر ہوشیار پوری

اُس کی رخصت کا انداز جہاں سے نیارا ہے

عنایت علی خان

اس نے اپنے کاندھوں پر ہم سب کا بوجھ اٹھایا تھا
اس کی محنت کوشی نے ہر راحت کو ٹھکرایا تھا
اس کے پسینے کی خوشبو نے گلشن مہکایا تھا
جو اس جلتی دھوپ میں ہم سب پر چھتنار کا سایہ تھا
اس نے ہر سیلاب کے رُخ پر پختہ بند بنائے تھے
اس نے اندھیارے رستوں پہ لاکھوں دیپ جلائے تھے
اس نے آگ کے شعلوں سے کتنوں کے جسم بچائے تھے
اس کے آگے قندیلیں تھیں جس کے پیچھے سائے تھے

اس نے اپنے سانچے کیا اچھے پرزے ڈھالے تھے
اس کے ہاتھوں میں چھالے تھے اور دل میں بھی چھالے تھے
اس کا صلہ دشنام کے خنجر اور تنقید کے بھالے تھے،
اس کے چہرے پہ لوگوں نے کیا کیا تھوک اچھالے تھے

اس نے قماش دین پہ اپنا تانا بانا ڈالا تھا،
کیسی ہنرمندی سے اس کا اک اک تار سنبھالا تھا،
اس کے تار و پود نے مل کر کیسا روپ نکالا تھا
جو بھی تھان اُتارا اس نے وہ اعلیٰ سے اعلیٰ تھا

اس نے اپنے ہنر سے تازہ قصہ رُودِ نیل کیا
جو رستے مسدود تھے اُن کو شارع میں تبدیل کیا،
مالک کی مرضی میں اس نے کبھی نہ قال و قیل کیا
پورا ہر اک حکم کیا ہاں اور بصد تعجیل کیا

راستے سارے اگلوں کے پچھلوں کے لئے آسان کئے
قلب و نظر کی گمراہی سے بچنے کے سامان کئے
مالک کی خوشنودی کے کیا کیا اس نے سامان کئے
کیا بتلاؤں اس نے ہم پر کیا کیا تھے احسان کئے

راستے سارے اگلوں کے پچھلوں کے لئے آسان کئے
قلب و نظر کی گمراہی سے بچنے کے سامان کئے
مالک کی خوشنودی کے کیا کیا اس نے سامان کئے
کیا بتلاؤں اس نے ہم پر کیا کیا تھے احسان کئے

اس کے ساتھی اک اک کر کے رخصت ہوتے جاتے تھے
دن دن بھر کے کام سے تھک کر سب ہی سوتے جاتے تھے
راہِ عمل میں اس کے دست و بازو کھوتے جاتے تھے
اس کے دل میں فرقت کی اک فصل سی بوتے جاتے تھے

وہ بھی ہمیں پیارا تھا اس کا ذکر بھی ہم کو پیارا ہے،
موت تو سب ہی کو آتی ہے اس سے بھلا کیا چارہ ہے
لیکن اس کی رخصت کا انداز جہاں سے نیارا ہے
مالک سے مزدوری پانے وہ مزدور سدھارا ہے

قائدِ انقلاب مودودیؒ

راز کاشمیری

علم و حکمت کا باب، مودودی
وارثِ بوتراب، مودودی
اس صدی کا مجدّدِ اعلیٰ
قائدِ انقلاب، مودودیؒ
خاکِ پائے رسول کا ذرّہ،
علم کا آفتاب، مودودی
بے گماں گلستانِ ہستی میں
تھا گُلِ انتخاب، مودودیؒ
اس سے تفہیمِ دین ہوئی آسان
فہم و دانش مآب، مودودی
آپ اپنی مثال تھا سیّد
آپ اپنا جواب، مودودی
ہر ورق جس کا رہنمائے حیات
ایک روشن کتاب، مودودیؒ

قوم و ملت کی بے حسی پر تھا
سر بسر اضطراب ، مودودی
آزمائش گہ جہاں سے گیا
کامران ، کامیاب ، مودودی
تیرے مرنے کے سانحہ پر ہے
چشم عالم پُر آب ، مودودی
تجھ پہ ہو رحمت خدائے جلیل
بے حد و بے حساب ، مودودی

وفاتِ حسرت آیات

سیّد ابوالاعلیٰ مودودی مرحومؒ

:—— از محمد عبد اللہ مومن لالہ موسیٰ :——

سیّدی، سیّد ابوالاعلیٰ ہوئے خلد آشنا
عہدِ حاضر کا مبلغ ہم سے رخصت ہو گیا
رو رہی ہے خون کے آنسو یہ چشمِ حق شناس
کاش! اس سے قبل میں ہوتا عدم سے روشناس
اُٹھ گیا اسلام کا وہ نامور مردِ خدا،
جس کے دم سے بتکدوں میں حشر اک برپا ہوا
اس کے علم و فضل کے چرچے رہیں گے تا ابد!
اس کی دانائی نے پائی ہے مدینے سے سند
وہ خدائی حاکمیت کا علمبردار تھا
وہ ہر اک باطل سے ہر دم برسرِ پیکار تھا
اُس نے ذہنی بتکدوں پر اس طرح یلغار کی
کفر کی بنیاد، استدلال سے مسمار کی،

اس نے گنگا، جمنا کے سنگم پہ دی حق کی صدا
اس کی تحریروں سے اک دنیا ہوئی حق آشنا
کتنے ہی مُلحد پلٹ آئے درِ اسلام پر
ہے کلام اس کا پُر از خونِ دل و سوزِ جگر
اس کی فطرت میں نہیں تھی جاہ و منصب کی طلب
وہ خُدا کی راہ میں تھا سر بکف عند الطلب
اس نے چمکائی نہ پیری کی دکانِ دلفریب
رہنمائی کے لئے تھا گو سراپا دیدہ زیب
وقت کے فرعون بھی اس کا نہ سر خم کر سکے
اس کو پھانسی کی سزا سے بھی نہ بیدم کر سکے
عہدِ حاضر میں نہیں ہے کوئی بھی اس کا نظیر
پیکرِ حلم و مروت، گفتگو تھے دل پذیر
رحمتیں اس بندہ حق سے شناسائی کریں،
جنّت الفردوس میں اُس کی پذیرائی

سید ابوالاعلیٰ مودودی

حکیم افتخار فخر

تھا عالمِ اسلام کے مینار کی صورت
باطل کے مقابل میں تھا تلوار کی صورت
سو بار نظر آئی اُسے دار کی صورت
بدلی نہ کسی دور میں افکار کی صورت

وہ منبعِ عرفان کہ انوار بکف تھا
وہ خادمِ سلطان مدینہ و نجف تھا
اسلاف کی میراث کا ذیشان خلف تھا
کج فہموں کے تیروں کا مگر پھر بھی ہدف تھا

یہ وقت کا جاں سوز ستم بھی ہے جگر پاش
دل درد سے بیتاب کہ غم بھی ہے جگر پاش
بھیگی ہوئی آنکھیں ہیں الم بھی ہے جگر پاش
بے مہر مقدر کا کرم بھی ہے جگر پاش

ہر سمت ہے اب جیسے اندھیرا ہی اندھیرا
جس طرح نگوں ہو گیا سورج کا پھریرا

ذہنوں میں ہے مایوسیٔ پیہم کا بسیرا
اب دیکھئے کب گزرے گی شب ہوگا سویرا

بتلائیں کسے زخم جو سینے میں لگا ہے
دل میں غمِ بے وقت سے اک حشر بپا ہے
اب ہر لبِ دیں دار پہ بس اک صدا ہے
منظور ہے تسلیم ہے اللہ کی رضا ہے

سایہ کرے رحمت کا خدا تیری لحد پر
ہو بارشِ انوار سدا تیری لحد پر

چراغ نور

سید مودودیؒ کی یاد میں

وہ آدمی کدھر گیا

نہ اپنے جسم کے لئے نہ اپنی ذات کے لئے
کہ اس کا سوز تھا تمام کائنات کے لئے،
وہ اُٹھ گیا تو علم و آگہی تڑپ تڑپ اٹھے
اداس شہر جاں ہے اس جنوں صفات کے لئے
وہ اک نوائے سرمدی چمن چمن کے واسطے
وہ اک چراغ نور زندگی کی رات کے لئے
ہمیں اداس کر گیا،
وہ آدمی کدھر گیا

وہ شرق و غرب میں جلالت خودی کا ترجماں
صداقتوں کا ہم نشیں سعادتوں کا راز داں
وہ حرف حرف کر بصیرتوں میں ڈھالتا رہا
لئے ہوئے شعور و اجتہاد کی تجلیاں
عراق ہو کہ مصر ہو حجاز ہو کہ ترکیہ
وہ ہر قدم پہ دین حق کے انقلاب کا نشاں
یہ رنگ گل بکھر گیا
وہ آدمی کدھر گیا

دل و نظر کو عزم تازہ کا پیام دے گیا
عمل کا ذوق دے گیا سحر کا جام دے گیا
اُسے جنون تھا شہر شہر نام حق بلند ہو
عظیم کام کر گیا عجیب کام دے گیا
جو ذہن و فکر کو یقین کی روشنی میں ڈھال دے
ہمیں وہ ولولہ وہ سرمدی نظام دے گیا

دلوں میں سوز بھر گیا
وہ آدمی کدھر گیا

نہیں وہ ہم سے دور اس کی ضو ہمارے ساتھ ہے — نگاہِ فکر کی جمیل رَو ہمارے ساتھ ہے
ہمیں وہ اس قدر خزانۂ شعور دے گیا — کہ صبحِ روشن کا عزمِ نو ہمارے ساتھ ہے
جو اس کی بے کنار انجمن میں جلوہ ریز تھی — اسی چراغِ جاں کی سبز لو ہمارے ساتھ ہے

چمن نکھر نکھر گیا
وہ آدمی کدھر گیا

آج اس کی خامشی پہ ہزاروں سخن نثار

عطاء الرحمٰن وجدی سہارنپور (بھارت)

رخصت ہوا کہ پیکرِ ایماں جسے کہوں
فطرت کا شاہکارِ نمایاں جسے کہوں

ہاں وہ امینِ رازِ شریعت جسے کہوں
ہاں وہ زعیمِ ملکِ عزیمت جسے کہوں

ہاں وہ جو اہلِ حق کے دلوں میں اتر گیا
ہر صاحبِ غرور کے دل سے اتر گیا،

اس نے کچھ اس خلوص سے نامِ خدا لیا
ہر بوالہوس نے ہاتھ میں پتھر اٹھا لیا

وہ جو ستمگروں کی قبا چاک کر گیا
ہم بے کسوں کو صاحبِ ادراک کر گیا

جس کا قلم تھا بحرِ معانی لئے ہوئے
اک انقلابِ نو کی نشانی لئے ہوئے

وہ جو رموزِ دین کی تعبیر بن گیا
تفہیم لکھ کے آپ ہی تفسیر بن گیا

جس کی زباں سے وقت کے شدّاد ڈر گئے
مارے حیا کے موت سے پہلے ہی مر گئے
کل اس کی سادگی پہ تھے سو بانکپن نثار
آج اس کی خامشی پہ ہزاروں سخن نثار
فطرت کا راز پردہ فطرت میں چھپ گیا
ماہِ تمام دامنِ رحمت میں چھپ گیا

لٹ گئی اللہ والوں کی متاعِ آخری

عبدالقادر خان

ایسے انساں کو کہاں بارِ دگر دیکھیں گے لوگ

ہم گذر جائیں گے نقشِ رہگذر دیکھیں گے لوگ
ہر قدم پر کتنی صدیوں کا سفر دیکھیں گے لوگ
شہر کی گلیاں تکیں گی راہ کس منصور کی
ہاتھ میں پتھر اٹھا کر اب کدھر دیکھیں گے لوگ
کس کو آئیں گے شہیدانِ راہِ حق کے سلام
کس کو سر جھکنے سے پہلے دار پر دیکھیں گے لوگ
کون سمجھائے گا اسرارِ کتاب حق کہاں؟
اہتمام سنتِ خیر البشرؐ دیکھیں گے لوگ
کس کو با صد اعتماد و عزم سرگرم ستیز
درمیانِ کارزار خیر و شر دیکھیں گے لوگ

اب کہاں وہ آدمیت، وہ متانت، وہ جمال
ایسے انساں کو کہاں بارِ دگر دیکھیں گے لوگ

موسمِ گل اب نہیں آئے گا گلشن میں کبھی
دامنِ فصلِ بہاری بے ثمر دیکھیں گے لوگ

وہ عزیزِ خلق، وہ اقبال کا دانائے راز
ویسا فرزانہ نہ کوئی راہبر دیکھیں گے لوگ

لٹ گئی اللہ والوں کی متاعِ آخری
محفلِ ہستی سدا زیر و زبر دیکھیں گے لوگ

مصدرِ انوارِ اعلیٰؒ سے ہے جن کا اکتساب
ظلمتِ شب میں انہیں مثلِ قمر دیکھیں گے لوگ

وحشتوں کے شہر میں جب سائے پھیلائے گی شام
رحمتوں کی جستجو میں کس کا گھر دیکھیں گے لوگ
خواب ہم دیکھیں گے تعبیریں مگر دیکھیں گے لوگ
شمع گل ہو جائے گی رنگِ سحر دیکھیں گے لوگ

نظم

نصیر الدین ہمایوں

اس پاک سرزمین کا مفکر چلا گیا
حکم خدا سے خود ہی فلک پر چلا گیا

سینے میں فلسفوں کے سمندر تھے موجزن
وہ بحر علم کا تھا شناور چلا گیا

تنظیم تھی عظیم، مقرّر تھا بے مثال
احساس کائنات کا مظہر چلا گیا

ہر انجمن میں شمع طریقت ہے ضو فگن
ہر انجمن میں شمع جلا کر چلا گیا

پھلدار تھا درخت اور سایہ دار بھی
وہ دھوپ اپنے ساتھ ہی لیکر چلا گیا

سرمایۂ عوام ہیں تصنیف و نشریات
تحریر کا، قلم کا، قلندر چلا گیا

نکلا وہ سے کے قلب کے کاسے میں اک نفی
جو شخص ایک بار تیرے گھر چلا گیا

پیش نظر تھی دین محمد کی مصلحت
تعلیم و تربیت کا وہ پیکر چلا گیا

دنیا کی ہر زبان کو اردو زبان میں
ارض و سما پہ کر کے اُجاگر چلا گیا

موجود گو نہیں ہے ابطاہر دلوں میں ہے
کون و مکاں سے مہر منور چلا گیا

وہ میر کارواں تھا، مگر تھا خدا پرست
ماہ و نجوم جیسا مقرر چلا گیا

علم کا مایہ ناز مورخ تھا لاجواب
ادراک کا شعور کا پیکر چلا گیا

قندیل باضمیر، ہمایوں، فراخ دل
انسانیت کی راہ پہ لا کر چلا گیا

آفتابِ جان و دل

حکیم شریف احسن

ہر دل نہ ہو مغموم کیوں، ہر چشم ہو کیوں کر نہ تر
بزمِ جہاں سے اُٹھ گئے مودودیؒ والا گہر

وہ راہبر کا راہ بر، ہر پیچ و خم سے باخبر
شاہیں نظر، خوبیں جگر، ملت کا وہ نخلِ ثمر

وہ فاتحِ دار و رسن، دانائے رمزِ جان و تن
جاں در کف و بر سر کفن، ہر دم رہا گرمِ سفر

وہ نازشِ دین و وطن، لعلِ یمن، مشکِ ختن
بر جادۂ حق گامزن، بے مرکبِ گنج و گہر

وہ احسن التقویمِ دل، وہ کوثر و تسنیمِ دل
وہ فاتحِ اقلیمِ دل بے منتِ تیغ و سپر

سیرت حسیں، صورت حسیں، جلوت حسیں، خلوت حسیں
روشن دل و روشن جبیں، تن پاک و جاں پاکیزہ تر

اے نور کے پیامبر، اے آفتابِ جان و دل
صدقے تری تنویر کے ہے اک جہاں روشن بصر

تیرے قلم سے ہر زماں تھے نور کے چشمے رواں
جھڑتے تھے ہنگامِ بیاں، لب سے ترے لعل و گہر
تاریکیاں رخصت ہوئیں، ہر سمت اجالا کر گئے
نقطے تری تحریر کے، نقطے ہیں یا شمس و قمر
فکرِ خدا بیں سے تری باطل کے ایواں ہل گئے
آیا جہاں میں زلزلہ، دنیا ہوئی زیر و زبر
پھیلی تری تفہیم سے خوشبوئے قرآں شش جہت
نکہت سے اس کی ہو گیا عالم معطر سر بسر
اے شاہ ہفت اقلیم دل، فرقت ہے تری جاں گسل
پیر و جواں ہیں مضمحل لیکن کہاں اس سے مفر
اے دستِ بیدادِ فنا کر دی پھر اب بے سر و پا
رُشد، وھدیٰ، زھد و تقیٰ علم و عمل، فکر و نظر ۱۳۹۹ھ

مصرع آخر کے درمیانی حروف کے اعداد
رش، د، ھ، ق، ل، م، ک، اور ظ جمع کرنے سے تاریخ وفات نکلتی ہے

میرا رہبر

الطاف شاہد

م میرا ممدوح، میرے عہد کا مہر کردار
دین کا جذبۂ بے باک متاعِ انوار

د ورقِ مصحفِ تمکین کا بالغ قاری
حسنِ افکار سے اک فیض کا دریا جاری

ل لبِ جاں بخش میں اعجاز مسیحائی تھا
اپنی گفتار میں قرآں کی رعنائی تھا

ا- اس کے انفاس میں خوشبو تھی گلابوں کی طرح
جنبشِ چشم، مدوّن تھی نصابوں کی طرح

ن ناخدا کشتیٔ ملت کا نظر آتا تھا
کتنے طوفانوں سے دن رات وہ ٹکراتا تھا

ا- اس کا منشا تھا کہ نافذ ہو نظامِ اسلام
اس کا مقصد تھا کہ ملت رہے دنیا کی امام

س سارے اندازِ سیادت کے تصدق اُس پر
ناز کرتا تھا دیانت کا تعلق اس پر

ی یُمن و توقیر کا آئینہ اسے کہتے تھے
علم و عرفان کا گنجینہ اسے کہتے تھے

د دعوتِ حق میں سردار بھی غافل نہ رہا
وہ کبھی مصلحتِ وقت کا قائل نہ رہا

ا- اس نے بھٹکے ہوئے ذہنوں کو ہدایت دیدی
زندہ جذبوں کو تمنائے شہادت دے دی

ب بیخودی کے لئے یوں صور کی آواز بنا
پرِ شکستوں کے لئے خود بھی پرواز بنا

د وارثِ علم نبوت تھا تبحّر اس کا
ایک آئینۂ عرفاں تھا تحیّر اس کا

ا- انقلاب زمانہ پہ نظر رکھتا تھا،
کتنے خطرات ہیں ملت کو خبر رکھتا تھا

ل لال آندھی سے بھی تھا خوف سے چہرہ تاریک
اس کے ایقان سے برہم نظام تشکیک

ا اس کی نظروں میں بقا عالم اسلام کی تھی،
مرکزیت کی یہ تعیین بڑے کام کی تھی

ع علم کی راہ عمل پہ بھی لگایا اس نے
زندہ رہنے کا اک اسلوب سکھایا اس نے

ل لات و عزّیٰ و ہُبل وقت کے ذی روح منات
اس کی تکبیر سے ہوتے تھے ہم آغوشِ ممات

ی یوں کرن نیّرِ اسلام کی تابندہ تھی
سرخرو دہر میں اک طلعتِ آئندہ تھی،

د- آیۂ حق تھا، حق آگاہ تھا، نورِ حق تھا
کفر ہیبت زدہ تھا چہرۂ باطل فق تھا

م میرا ممدوح، محمد ہی کا شیدائی تھا،
فکر کی سطح پہ وہ دین کی گہرائی تھا

و وعظ اس کا تھا دلوں کے لئے پیغامِ حیات
اس کی تحریر تھی ملت کے لئے جامِ حیات

د دینِ حق کے ہی لئے وقف تھا اسکا جینا،
اس کی عادت تھی مئے صدق پلا کر پینا،

و وہی مخدوم تھا، کہتا تھا جو خود کو خادم
متواضع ہی رہا ہو کے وہ جیّد عالم

و دین و دانش کی یہ دولت جو میسر ہے تجھے
اور تفسیر جو قرآن کی ازبر ہے تجھے

ی یہ ہے سب اس کی ہی نسبت کا کرشمہ شاہد

اور کیا ہوگا اطاعت کا کرشمہ شاھد

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ نظم صنعتِ توشیح میں کہی گئی ہے یعنی:

پہلا ہر حرف پہلے مصرعہ کا

ہو مرتب تو "اسم" رہبر ہے

دوامِ تو

ابو المظفر

موجِ شمیمِ دامنِ اطہر پیام تو
معمور شد ز عطرِ محمد مشام تو

فکرِ چوں بود رمز شناسِ دلائے دوست
صدق و خلوصِ مسندِ اعلیٰ مقام تو

تحریر تست کشورِ عرفان و آگہی،
اقلیم ذوقِ علم نوشتہ بنامِ تو

مطلوب شد کہ بزمِ جہاں منقلب شدے
خورشید انقلاب نہادہ بہ جام تو

گفتی حدیث سرورِ مادر زبان ما
حق یکہ ترجمانِ پیمبر کلام تو

سجدہ بہ حسن ادخلوا فی السلم کردہ ای
قوسِ شعاعِ نورِ رکوع و قیام تو

ظلمت گزیدہ کرۂ عالم بہ زعم جہل
تابندہ از جہادِ قلم صبح و شام تو

گم گشتگانِ دانشِ مغرب کہ ما شدیم
نگہ نیستیم جادۂ منزل بہ گام تو
کلکت نوشت معنی قرآں ز خونِ دل
پیغامِ حق بہ سوز و گداز پیام تو
عمرے کہ در اطاعتِ خواجہ گذاشتی
یزداں بہ پیشِ خواجہؐ رساند سلام تو
ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام تو"

آبروئے وطن

مظفر وارثی

وُہ نرگس، وہ لالہ وہ سرو سمن تھا
وہ گل تھا، وہ خوشبو وہ رنگ چمن تھا،
اسی سے تھی رونق گلستانِ حق میں
وہ حق و صداقت کی روشن کرن تھا
وہ جس پر خدا کی تھی رحمت یقیناً
وہی جلوہ آرائے دار و رسن تھا
جسے دار تک لے گئے حق کے دشمن
عزیزو! وہی آبروئے وطن تھا
وُہ سالارِ اعلیٰ تھا حق کی سپہ کا
وہ دیں کے تحفظ کی دھن میں مگن تھا
اگر پاس کچھ تھا تو علم و یقیں تھا
یہ دنیا کی دولت یہ دنیا کا دھن تھا

کرو اس کی عزت کہ وہ درحقیقت
بہارِ چمن تھا وقارِ وطن تھا
دلائل سے باطل کے سر کو کچلنا
یہی اس کی خوبی یہی اس کا فن تھا

نوائے درد

مظفر وارثی

ٹوٹ کر سورج گرا کرنیں پریشاں ہو گئیں
دفن اک لمحے میں جانے کتنی صدیاں ہو گئیں

سرزمین پاک سے اک آسماں سا اٹھ گیا
بستیوں کی بستیاں شہر خموشاں ہو گئیں

چل دیا سوئے عدم اسلام کا بلبل جلیل
کس قدر سونی دیار دیں کی گلیاں ہو گئیں

اس کا ظاہر روشنی تھا اس کا باطن روشنی
خاک کے نیچے بھی شمعیں سی فروزاں ہو گئیں

علم و عرفاں رو رہے ہیں ایک کونے میں کھڑے
زندگی کی ساری قدریں مرثیہ خواں ہو گئیں

پتھروں کو حرف حق کہنے کی جرأت دے گیا
برف جیسی سرد سانسیں شعلۂ جاں ہو گئیں

مشرق و مغرب پہ لہرائی نگاہ دور بیں
فکر کی گہرائیاں "تفہیم قرآں" ہو گئیں

مردِ عصرِ نو کہوں یا وارثِ ماضی کہوں
کیسی کیسی ختم تحریکاتِ دوراں ہو گئیں
کتنا گہرا زخم آیا ہے مظفرؔ روح پر
خون کی بوندیں مری آنکھوں میں چسپاں ہو گئیں

الوداع اے آفتابِ علم و حکمت الوداع

عالم تاب تشنہ

الوداع اے آفتابِ علم و حکمت الوداع
الوداع اے داعیٔ نورِ ہدایت الوداع

الفراق اے عالمِ قرآن و سنت الفراق
الفراق اے قاضیٔ شہرِ شریعت الفراق

الفراق والوداع اے تاجدارِ شہرِ علم
الفراق والوداع اے روشنیٔ مہرِ علم

الفراق والوداع اے عزم کی محکم چٹان
شہرِ باطل میں تری آواز تھی حق کی اذاں

تھا تری صوت و صدا میں شعلہ سامانی کا رنگ
گونجتا تھا رزمِ ہستی میں ترا اعلانِ جنگ

تیرے آگے لرزہ بر اندام تھے طوق و رسن
ذکر تیرے عزم کا تھا انجمن در انجمن

مومنِ بے تیغ تھا تو اے جری و صف شکن
تیرے آگے شل ہوئے بازوئے شمشیر زن

رزم ہستی میں ترا ہر کام تھا کارِ شہید
تو نے دی فصلِ خزاں میں موسمِ گل کی نوید

تو کہ تھا مہرِ درخشاں عالمِ شب زاد میں
تیرے دم سے رونقیں تھیں اس جہاں آباد میں

عالمِ ناحق میں حق کا بول بالا تجھ سے تھا
تیرگی میں اے مہِ کامل اجالا تجھ سے تھا

پیکرِ حق و صداقت الفراق والوداع
صاحبِ حسنِ قیادت الفراق والوداع

ملتِ بیضا کے محسن الفراق والوداع
دیدۂ بینائے مومن الفراق والوداع

حق نے جب بھی پکارا

فاروق عادل سرگودھا

علم کے شہر میں
آج اس دھر میں
ہر طرف روشنی ۔ ہر طرف آگہی
اب جہالت نہیں ۔ وہ خجالت نہیں
کس کا یہ فیض ہے ؟
کیا خبر ہے تمہیں
علم کے شہر کی جو کہ میراث تھا
علم کا باب تھا ۔ در نایاب تھا
وہ جو کردار تھا ۔ وہ جو سیرت بنا
حق کی ہر بات پر وہ جو لبیک تھا
مسندِ حیثیت کا جو کہ مودود تھا
حق نے جب بھی پکارا وہ موجود تھا
تختہ دار پہ جو کہ سردار تھا
ہر قدم پر وہ ثابت قدم ہی رہا

عالم دین ہے ۔

وہ بت شکن تھا

شریف احسن

تمہیں گلہ ہے
وہ بت شکن تھا
تمہیں گلہ ہے
کہ اس نے توڑے
تمہارے لات و منات سارے
تم ان کا ماتم کرو ابد تک
کوئی بھی مرہم
اب ان کے زخموں کو
مندمل کر نہیں سکے گا
کوئی مسیحا نہ دے سکے گا
پیام ان کو حیات نو کا
تمہیں گلہ ہے
کہ وہ مثالِ خلیل آزر
کمال اپنا دکھا گیا ہے
تمہارے پورے صنم کدے کو

تباہ و ویران کر گیا ہے
بتوں کی مانند
تمہیں بھی مبہوت کر گیا ہے
تمہیں گلہ ہے۔
کہ اس نے آ کر
صنم کدے میں اذان دے دی
طلسم توڑا ہے
بت گروں کا
اور آدمی کو بتا گیا ہے
کہ کوئی پتھر خدا نہیں ہے
جلا سکو تو
چتا جلاؤ
تم اس کی خاطر
مگر یہ سن لو
چتا نہ اس کو جلا سکے گی
چتا ہی یہ گلستاں بنے گی
اور اس چتا میں
وہ پھول بنکر کھلا رہے گا
سدا رہے گا۔

ایفائے عہد

—— صباحتی جدہ

وہ عالمِ باعمل، متقی، باصفا ، مرشدِ کامل و صاحبِ اتقا
رہبرِ راہِ حق، دل ربا مقتدا وہ غزالی وہ اس دور کا تیمیا
کہتے ہیں سب کہ واصل بحق ہو گیا
جا کے زیرِ زمیں دوستو سو گیا.

وہ مفسر، محدث، حقیقت شعار وہ مدبر مجاہد، وہ حق کی پکار
وہ ادب کا امام اور معجز نگار جس کے ہر حرف پہ لعل و گوہر نثار
دل کی محفل کو اب غمزدہ کر گیا
بجھ گیا بزمِ علم و عمل کا دیا.

لے کے حق کا علم وہ بڑھا ہے جدھر کر دیا قصرِ باطل کو زیر و زبر
تھرتھرانے لگے خوف سے کفر و شر سارے لات و ہبل ہو گئے نوحہ گر
اُف وہ مردِ مجاہد کفن پوش ہے
اب لحد سے وہ اپنی ہم آغوش ہے

نوجوانوں کو شاہین کے پر دیئے اپنے افکار کے لعل و گوہر دیئے
عزم و ایقان سے ان کے دل بھر دیئے جان جاں مرکزِ آرزو کر دیئے
فرض ادا کر کے اب چین سے سو گئے
رونقِ بزمِ خلد بریں ہو گئے،

فرض ان پر جو تھا وہ ادا کر گئے — حق سے جو عہد باندھا وفا کر گئے
کتنے احسان مرد خدا کر گئے — کتنے ٹکڑے تھے جن کو کھرا کر گئے

بھول جانا نہ تم ان کے احسان کو
تازگی بخش دی روح ایمان کو

راستہ جو دکھا کر گئے دوستو — اب اسی راہ پر تم بھی چلتے رہو
دین اسلام کو سب پہ غالب کرو — بس اسی مقصدِ زیست پر مر مٹو

ہو اسی لئے موت اور زندگی
ہو فقط ایک اللہ کی بندگی

ہے حقیقت اٹل یاد رکھ اے صبا — چند روزہ ہے واللہ دارِ فنا
ہے خدا کے سوا اور کس کو بقا — جو بھی آیا یہاں ایک دن چل بسا

ہاتھ پھیلا دعا کر خدا کے حضور
رحمتیں ہوں سدا ان پہ ربِ غفور

خلد آشیاں

گوہر ملسیانی

اک حشر ہے بپا کہ میر کارواں گیا

جس کی جلو میں بیٹھ کے پاتے تھے روشنی

حق بات پوچھئے تو عزیز جہاں گیا

ان صحبتوں کا دوستو! دلکش سماں گیا،

شاخ مژہ پہ شبنمی قطرے مچل اٹھے

جس نے شباب وقت کو بخشا تھا عشق و شوق

رنگ و بہار آبروئے گلستاں گیا

وہ آرزو، وہ چاہت خونِ جواں گیا

تفہیم جس کی فکرِ جواں کی کھلی مثال

اک عمر جس نے دعوت حق میں گزار دی

گنجینۂ معانی و سادہ بیاں گیا

باطل پہ ضرب، کفر پہ تیغ رواں گیا

دانائے راز واقف اسرار انقلاب

اہل نظر کو دے کے متاع بہار زیست

اک انقلاب دہر کا دیکھ نشاں گیا

فکر و نظر کا گلشن و خلد آشیاں گیا

خاموشیوں کو جس نے عطا کی سخن کی شان

گوہر تو آج شدتِ غم سے نڈھال ہے

گفتار صدق دے کے وہ حسنِ زباں گیا

تسکین جاں بکھر گئی لطف بیاں گیا

مردِ جلیل

غافل کرنالی بیہ

رخصت ہوا کون حق رسیدہ
ہر اہل وفا ہے آبدیدہ

ہر شاخ جھکی ہوئی الم سے
ہر پھول ہے پیرہن دریدہ

وہ غلبۂ دین حق کا داعی
وہ بندہ آگہی رسیدہ،

ہر عکس تھا حق فروز اس کا
ہر نقش تھا اس کا چیدہ چیدہ

انداز بہت ہی دلنشیں تھا
جیسے ہو شعارِ نو دمیدہ

سرگرم نفاذِ حق کی خاطر
لیکن نہ ہوا کبھی کبیدہ

الفاظ ڈھلے ہوئے گہر میں
گفتار بہشت کا جریدہ

وہ اپنے عمل سے لکھ گیا ہے
اللہ کے دین کا قصیدہ

وہ مردِ جلیل زندگی بھر
باطل سے رہا ہے سرکشیدہ
شبیرؓ ہوں جس کے جدِّ امجد
وہ شخص ہو کیوں نہ برگزیدہ
غافل وہ کیا ہے کام اس نے
روشن ہوئے جس سے قلب و دیدہ

ستم آشنا

ڈاکٹر بہار بتسم میرٹھی

دولت بے بہا تھے مودودی

علم کے ناخدا تھے مودودی

لوگ کیا جانیں مرتبہ اُن کا

لوگ کیا جانیں کیا تھے مودودی

ہر قدم آشنائے منزل تھا

نقش منزل نما تھے مودودی

ہر ستم آپ کو گوارا تھا،

ہر ستم آشنا تھے مودودی

حادثے انکو کر سکے نہ خموش

صاحب حوصلہ تھے مودودی

اُن کے دم سے تھی عظمتِ کردار

پیرِ عطر وفا تھے مودودی

اُن کے ہونٹوں پہ تھا تبسم علم

اک مکمل ضیاء تھے مودودی

سپردِ خاک

ریاض حسن انور

جسمِ سید سپردِ خاک ہُوا
ختم اک دورِ تابناک ہوا

جس کے دم سے تھی رونقِ محفل
زینتِ بزمِ عرش پاک ہوا

دہر میں بچھ گئی صفِ ماتم
ہفت افلاک سینہ چاک ہوا

نم ہوئی چشمِ خادمانِ حرم
اشک آلود ارضِ پاک ہوا

جس کا نشہ ہے اب بھی ذہنوں پر
خشک انور وہ شاخِ تاک ہوا

صداقت

اطہر راز لندن

اس آفاق کی خوبصورت فضا میں
وجود ایک قطرہ ہے بحرِ عدم کا
تغیّر کا بادل ہے تقدیر جس کی
برستا ہے صحرائے ہستی میں جس دم
وہ دریائے احساس و افکار بن کر
کہ پھر لوٹ جاتا ہے بحرِ فنا میں

وجود آج اپنا ہے اور کل نہیں ہے
اجل ہی یہاں زندگی کی امیں ہے

ابوالاعلیٰ اک عالمِ دینِ فطرت
اگرچہ وجود ان کا ہم میں نہیں ہے
مگر ان کے افکار زندہ رہیں گے
کبھی ان کی تحریر مٹ نہ سکے گی
جو تحریک زندہ ہے زندہ رہے گی
وہ موجِ تفکر میں رنگِ صداقت

مگر اس صداقت کی جو بھی چمک ہے
فقط اس میں قرآن کی اک جھلک ہے

ہزاروں قلم یوں ہی چلتے رہیں گے
خلا جو کہ دنیائے افکار میں ہے
نہ جانے یہ کس وقت پر ہو سکے گا
وہ عالم کہ جس کے خیالوں کی محفل
کبھی ذکرِ قرآں سے خالی نہیں تھی
وہ عالم کہ جس نے کبھی زندگی میں

کلامِ الٰہی کا دامن نہ چھوڑا
حقائق سے اس نے کبھی منہ نہ موڑا

آج بھی زندہ ہے وُہ

تبارک اللہ کاوش عارفی

یادِ مودودی ہے دِل میں اور لب پر نام ہے
کیف آورِ صبح ہے اور شوق افزا شام ہے

کون مودودی وہی جو صاحبِ "تفہیم" تھا
ذہن جس کا جوہرِ آئینۂ تنظیم تھا

جس کی تفہیمات نے روشن کئے کتنے چراغ
تھا خزانہ فہم و استدلال کا جس کا دماغ

وہ مفکر تھا، مجدد تھا، شعورِ ذات میں
سانس لیتا تھا فراغت سے جو احساسات میں

جو نظر افروز تھا، ہر بات پر کرتا تھا غور
تھا الگ دنیا کے فرسودہ اثر سے جس کا طور

جو روایت سے زیادہ تھا درایت آشنا
جس کا اک اِک لفظ تھا، نقطِ حقیقت آشنا

ذات سے مرعوب ہو جانا جسے تھا نہ پسند
پھینکتا تھا جو تعقل کے ستاروں پر کمند
دینِ آبائی بغیر فکر کب مرغوب تھا
آپ ہی طالب تھا اپنا، آپ ہی مطلوب تھا
جس نے غواصی نہ چھوڑی وقت کی رو دیکھ کر
اور آنکھیں کھول لی تھیں زیست کی ضو دیکھکر
جس کی طبع نکتہ رس ناقابل تقسیم تھی
جس کی ہر تخصیص سے ظاہر حدِ تعمیم تھی
جس کے قبضے میں قلم تھا تیغ ہندی کی طرح
جس کا جوہر تھا تقاضائے حضوری کی طرح
جو جہادِ بالقلم کے واسطے مشہور تھا
جس کا دِل احساس اور ادراک سے معمور تھا
فکر جس کی فکرِ ابن تیمیہ کی تھی مثال
جس کی تحریروں سے ظاہر ابنِ قیم کا جمال
اجتہادِ فکر کا انداز تھا تحریر میں
نقطہ نقطہ غرق تھا ابلاغ کی تاثیر میں

آج بھی زندہ ہے وہ زیرِ زمیں ہونیکے بعد
جاگ اٹھا ہے، اجل کی نیند میں سونے کے بعد
ہر جواں، ہر نوجواں کو دے گیا پیغامِ دیں
اس کے در پر خم رہے گی اَب تو کاوش کی جبیں

مثالِ کہکشاں

وفا امتھوی

"گری تھی جس پہ کل بجلی"، وہ اپنا آشیاں نکلا
یہ کس کی گھات میں تھی، آہ برقِ بے اماں برسوں

ہوئے رخصت جہاں سے سید مودودیٔ اعظم
رہے گی اب زبانوں پر وہ جنکی داستاں برسوں

نہ آئے گا اب ایسا صاحبِ فکر جواں کوئی
سرشکِ خون برسا! دیدہ اسلامیاں برسوں

خوشا روشن وجود اس کا کہ نورِ آگہی بن کر
سپہرِ زیست پر چمکا، مثالِ کہکشاں برسوں

مثالِ شمع پگھلا اُمتِ گمراہ کے غم میں
رہا جو بندۂ شعلہ نفس، آتش بجاں برسوں

معابدِ شرک و باطل کے رہیں گے مدتوں لرزاں
ان ایوانوں میں گونجے گی ابھی جسکی اذاں برسوں

غزالیؒ، ابن تیمیہؒ و حنبلؒ عصر حاضر کا
رہے گی جس سے خالی مسندِ بزمِ جہاں برسوں

صدی اور دو صدی گزرے تو شاید کوئی پیدا ہو
پئے تخلیق گردش میں رہے گا آسماں برسوں

مقاماتِ کتاب و سیرتِ پیغمبرِ دیں کا
نہ اب چشمِ فلک دیکھے گی ایسا رازداں برسوں

مفسر اور مؤرخ بھی، معلم اور مدبّر بھی
متکلم اور مجدّد بھی نہ ہوگا کوئی یاں برسوں

تب ایسا مطلعِ گیتی پہ اک خورشید ابھرتا ہے
جب آنسو خون کے روتا ہے یہ دورِ زماں برسوں

اسی سے پائیں گے رہرو تب و تاب و توانائی
وہی تارہ یک راہوں میں رہے گا ضو فشاں برسوں

امانت دارِ ناموسِ پیمبر سیّد والا
نہ ہوگا اس کا ہمسر کوئی زیرِ آسماں برسوں

گنوں شد ملّتِ ما، اے وفا! قرآں بیزارے
کسے، آں شارحِ مَا کُنتَ تَدرِیْ مَا الکِتاب" آرے

منیر احمد ایم اے سمن آباد لاہور

ماہِ تاباں

وَاَفْجَعُ مَنْ فَقَدْنَا مَنْ وَجَدْنَا
قُبَیْلُ الْفَقْدِ مَفْقُوْدَ الْمِثَالِ [1]

آہ نہیں سکتا ہے تابِ اظہارِ تک کرب و الم
عالمِ اسلام پر ٹوٹا ہے ایسا کوہِ غم
ہر نفس افسردہ پژمردہ و پر آزردہ ہے
ہر دلِ حساس خوں، ہر دیدۂ بیدار نم
اپنے مداحوں کو روتا چھوڑ کر رخصت ہوا
قائدِ اسلامیاں وہ سیدِ عرب و عجم
منبعِ علم و یقیں جس کے قلم کا حرف حرف
مصدرِ رشد و ہدایت جس کی ذاتِ محترم
مشرق و مغرب منور جس کے نورِ فکر سے — مضمحل ہے قوتِ طاغوت جس کے ذکر سے

---

[1] متنبی نے یہ شعر اپنی ممدوحہ کے مرثیہ پر کہا ہے لیکن حقیقتاً اس شعر کا مصداق سید مودودیؒ ہے۔ شعر کا ترجمہ یہ ہے، جسے ہم نے کھویا ہے اس کا سب سے زیادہ تکلیف دہ پہلو یہ ہے کہ مرنے سے پہلے وہ اپنی مثال آپ ہی تھا کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔

آج اس کی یاد میں کون و مکاں ہے سوگوار
یہ زمیں یہ دشت و در یہ خاکداں ہے سوگوار
یہ فضائے نیلگوں خاموش اس کے غم میں ہے
ماہ و انجم مضطرب ہیں آسماں ہے سوگوار
فرقتِ مرحوم پر ہے محفلِ امکاں اداس
رحلتِ سیّدؒ پہ بزمِ انس و جاں ہے سوگوار
مسلموں سے چھن گئی ہے اک متاعِ بے بہا
ملحدوں کے ماسوا سارا جہاں ہے سوگوار
ہر زباں کو آج موضوعِ سخن معلوم ہے
ذرّہ ذرّہ گلستانِ دھر کا مغموم ہے
آہ سیّدؒ! وہ نقیب پاکبازانِ جہاں
وُہ علمبردارِ دیں وُہ داعیٔ عصر رواں
آہ وہ صبر و رضا کا ایک بحرِ بے کراں
ایک اخلاق و شرافت کا درخشندہ نشاں
آہ مودودیؒ! وہ انسان عظیم اس دور کا
مرشدِ راہِ ہدایت مقتدائے رہبراں
جس کا اخلاصِ عمل اک قوتِ خارا شگاف
جرأت و شانِ عزیمت جس کی اک کوہِ گراں

خاک میں وہ آفتابِ علم و عرفاں چھپ گیا

عالمِ انسانیت کا ماہِ تاباں چھپ گیا

بندگی اللہ کی اس کا تھا مقصودِ حیات

بندۂ مولا تھا بے شک بندۂ مولا صفات

بندگی کی راہ پر چل کر دکھایا اس نے آج!

اس نے سمجھایا ہمیں مفہوم توحید و صلوٰۃ

شرح و تبیینِ شریعت کارنامہ اس کا ہے

اور یہ بدلے ہوئے انسان اس کے معجزات[1]

وقفِ تبلیغ و جہاد اس کا قلم اس کی زباں

اس کی شخصیت سے لرزاں وقت کے لات و منات

اس کی عزت؟ اس کی عظمت؟ اسکی شوکت؟ کیا کہوں

سطوتِ شاہی رہی ہے اس کے آگے سرنگوں

آؤ کر لیں استوار عہدِ وفا اے دوستو

مرقدِ سید سے آتی ہے صدا اے دوستو

راہِ حق کی منزلِ آخر قریب آنے کو ہے

وہ مبارک ہے جو اس رہ پر چلا اے دوستو

---

[1] ضرورتِ شعری کے تحت یہ لفظ مولانا مرحوم کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ منیر احمد

منزلِ تحریک اسلامی ہے اسلامی نظام
اس نظامِ حق کو تم کر دو بپا اے دوستو
زندگی اس کوششِ پیہم میں گزری ہو اگر
موت ہے پھر اِک نویدِ جاں فزا اے دوستو
اس نویدِ جاں فزا سے بہرہ ور ہے میری موت
سوئے فردوسِ بریں میرا سفر ہے میری موت

ماہِ تمام

عبدالحمید النساء

علامہ اقبالؒ نے فرمایا تھا کہ

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند
اب مناسب ہے تیرا فیض ہو عام اے ساقی
تو مری رات کو مہتاب سے محروم نہ رکھ
تیرے پیمانے میں ہے ماہ تمام اے ساقی

علامہ اقبالؒ کی دعا کو شرفِ قبولیت بخشا گیا اور وہ ماہ تمام سیّد مودودیؒ کی صورت میں طلوع ہُوا جس نے ہمارے دور کی تاریکیوں کو ختم کر کے علم کی روشنی پھیلائی

گھپ اندھیرا تھا
اندھیری رات تھی
ظلمتِ شب تھی محیط
صف بہ صف سائے بچھے تھے
تہ بہ تہ تاریکیاں

سر بہ سر پھیلی ہوئی تھی تیرگی ہی تیرگی
جا بجا تانی ہوئی تھیں ظلمتوں نے چادریں
خوب گاڑھی، دیرپا، مضبوط، موٹی۔ گف۔ دبیز
مٹ چکا تھا امتیازِ سرخ و سبز
آسمانی، آتشی، خاکی، شہابی، زرد، نارنجی، سفید
رنگ سب موجود تھے
کر نہ سکتا تھا کوئی لیکن تمیز
کھیت، جنگل، بستیاں، صحرا پہاڑ
دم بخود خاموش تھے
تیرگی کے خوف سے روپوش تھے
کچھ نظر آتا نہ تھا
تھا اگر کچھ تو سیاہ کالا سیہ بختی کا رنگ

★

اس اندھیری رات میں
کشتۂ شوقِ سفر
اِک کے دُکے راہ رو جاتے ہوئے
منزلِ انسانیت کو راہ نہ پاتے ہوئے
کور اندھیروں کی طرح

لڑکھڑاتے پھر رہے تھے ٹھوکریں کھاتے ہوئے
دشمنانِ نسلِ آدم
موت کے پیغامبر
جنسیت کے زہر سے
ڈس رہے تھے ہر کسی کو ہر گلی بازار میں
کوڑیا لے ناگ پھنیئر، اَن گنت قسموں کے سانپ
تہ بہ تہ تاریکیوں کی اوٹ میں
بے دھڑک خونخوار چیتے بھیڑیئے
پی رہے تھے بے ضرر سہمی ہوئی بھیڑوں کا خون
تختۂ مشقِ ستم جس طرح کوئی حسینہ ظالموں کے غول میں
آدمیت پھنس چکی تھی ظلم کے ماحول میں
فطرتِ انسان خود انسانیت کی موت پر
شدتِ غم کے سبب گویا سراپا چیخ تھی
بے بسی کی آگ پر بھُن بھن کبابِ سیخ تھی
اک صدی کا ایک دن تھا چودھویں تاریخ تھی

★

کہہ رہا تھا وقت کے انسان کا تحت الشعور
ہو نہ ہو آنے کو ہے۔

جب سے بٹ کے گہرے اندھیروں کو ہٹانے کے لئے

پھر نشاں ہائے جہالت کو مٹانے کے لئے

علم سچائی کا نور

عین فطرت کا تقاضا تھا طلوع ہو ماہتاب

ہو حقیقت بے حجاب

نور سرکانے لگا تھا اپنے چہرے سے نقاب

روشنی کے خوف سے تھی حالتِ ظلمت خراب

ہو رہے تھے گھپ اندھیروں کے سیہ چہرے سفید

اور سائے ڈر کے مارے بید مجنوں کی طرح

کپکپاتے کانپتے

لگ رہے تھے ساتھ جا جا کر در و دیوار کے

سر چھپاتی پھر رہی تھیں بھاگ کر تاریکیاں

ہٹ رہی تھیں دم بہ دم پیچھے کی جانب ظلمتیں

بڑھ رہے تھے ہوتے ہوتے اب اُجالوں کے قدم

نور قابو پا رہا تھا صورتِ حالات پر

تیرگی کی زندگی تھی آخری لمحات پر

لشکرِ ظلمات پر

جانبِ مشرق سے حملہ کر دیا تھا نور نے

یہ اجالوں کی اندھیروں پہ کھلی یلغار تھی

روشنی تاریکیوں سے برسرِ پیکار تھی

کل تو کل تھی تیرگی شب کے سر پہ تاج تھا

آج کا دن آج تھا

تختِ تاریکی سے لیکن برسرِ پیکار تھی

کل تو کل تھی تیرگی شب کے سر پہ تاج تھا

آج کا دن آج تھا

تختِ تاریکی کا یوم تاخت و تاراج تھا

★

دیکھتے ہی دیکھتے

اک ہیولیٰ روشنی کا

ایک شعلہ طُور کا

نور سے ہالے کے اندر ایک پیکر نُور کا

صاف مثل آئینہ

شفاف شیشے کیطرح

پاک اُجلا اس طرح جیسے ہو دامن حُور کا

اک دلیل بے مثیل

اک جمال باکمال

ایک شہکار مصوّر رونق افروزِ خیال
حسن کے نقطۂ نظر سے آپ خود اپنی مثال
اک شہنشاہِ صداقت
اک اپالو دیوتا
اک محبت کا پیمبر
اک سراپا کام دیو
اک مجسّم روشنی کا
اک اجالوں کا رسول
چلنا سیدھے راستے پر جسکی کرنوں کا اصول
مَہبَطِ انوارِ شمسی
منبعِ فیضِ دوام
علم کے سارے سمندر جسکی مرضی کے غلام
کہکشاں کے ضوفشاں سارے ستاروں کا امام
اک مسیحائے زماں
ساتھ کرنوں کو لیئے وہ کارواں در کارواں
ڈھونڈ کر اونچا مقام
آسماں کی رفعتوں پہ
شہرتوں کے بام پہ

جس خدا نے حُسن بخشا اُس خُدا کے نام پر
ہوے ہوے
دَم بہ دَم
لمحہ لمحہ
گام گام
رونق افروزِ جہاں تھا پر شکوہ ماہِ تمام

اے مردِ حق آگاہ

ضبط سہارنپوری

ہو اظہارِ غم کیا زبان و قلم سے
کہ ہے ذہن مغلوب جذباتِ غم سے

صدا آرہی ہے سوادِ حرم سے
متاعِ سکوں چھن گئی آج ہم سے

بڑی منزلت تھی خدائی میں تیری
کہ دشمن بھی روئے جدائی میں تیری

دمِ گفتگو اک متانت کا پیکر،
دمِ جستجو استقامت کا پیکر
وفا کا نمونہ شرافت کا پیکر
سیاست کا رہبر صحافت کا پیکر

مفکر بھی تو ناقدِ فکر و فن بھی
تو اپنی جگہ ذات بھی انجمن بھی

جہاں بغض و نفرت نے کانٹے چبھوئے
وہیں بیج تو نے محبت کے بوئے

جہاں اہلِ دانش نے اوسان کھوئے
وہیں تو نے حکمت کے موتی پروئے
مسائل کے بحران میں رہنما تھا
مصائب کے طوفان میں ناخدا تھا
سیاست کو پھر جزوِ مذہب بنایا
مسلماں کو چنگیزیت سے بچایا
اندھیرے سے روکا اجالے میں لایا
پلٹ دی تدبّر سے ملّت کی کایا
نئی نسل کو گمرہی سے نکالا
کیا تو نے اسلام کا بول بالا
چراغِ حرم آفتابِ ہدایت
ثنائے حق ترجمانِ حقیقت
یہ تفسیرِ قرآں، یہ تشریحِ سنّت
تو اس دور کا مطلعِ علم و حکمت
ترا کام تجدید و احیائے دیں تھا
ترے دور میں تیرا ثانی نہیں تھا
فسوں تھا یہ طبعِ روایت شکن کا
کہ رُخ تو نے بدلا پرانے چلن کا

نیا نظام قائم کیا انجمن کا

بھرم تھا ترے دم سے معیارِ فن کا

روایت سے ہٹ کے ہی تخلیق کی ہے

کہ اظہار سے پہلے تحقیق کی ہے

ضیائیں ہوئے تیری ذرّے منور

بنے تیری صحبت میں قطرے سمندر

ہوئے خار قربت میں تیری گُلِ تر

تری ذات کا فیض اللہ اکبر

جو پتھر تھے رشکِ گہر بن گئے ہیں

جو رہزن تھے وہ راہبر بن گئے ہیں

تجھے خضرِ دنیا و دیں مانتا ہوں

علامت تجھے حق کی گردانتا ہوں

تری عظمتوں کا سبب جانتا ہوں

مجھے فخر ہے تجھ کو پہچانتا ہوں

ترا دور پایا مقدّر سے میں نے

سمیٹے ہیں جلوے ترے در سے میں نے

تھا مسلک ترا احترامِ محمّدؐ

کیا عام تو نے پیامِ محمّد

بنا پاسبانِ مقامِ محمدؐ
حقیقت میں تھا تو غلامِ محمدؐ

کلامِ خدا بر زبانِ نبی تھا
شرف ہے کہ تو ترجمانِ نبی تھا

زمانے میں گونجا ترا نامِ نامی
کہ تھی مستند تیری ذاتِ گرامی

سدا رحمتِ حق رہی تیری حامی
کہ دی تجھ کو دار و رسن نے سلامی

زمیں پر تو ہمرتبۂ آسماں تھا
کہ پیری میں بھی عزم تیرا جواں تھا

مٹایا سکوں تیری رحلت نے کیا کیا
بڑھایا جنوں تیری رحلت نے کیا کیا

کیا دل کا خوں تیری رحلت نے کیا کیا
کیا کیا کہوں تیری رحلت نے کیا کیا

یہ غم دل میں گویا سماتا نہیں ہے
یقیں تیری رحلت کا آتا نہیں ہے

رہبرِ دانشوراں

عبدالشکور نسیم محبوبی

جس کی تحریروں سے حاصل کچھ ہوا فہم و شعور
جس نے سمجھائے رموزِ دینِ حق نزدیک و دور

شارحِ قرآن و سنت، داعیٔ دینِ مبیں
پیکرِ صدق و صفا اور عظمتِ دیں کا ظہور

صاحبِ "تفہیم قرآں" نازشِ علم و ادب
جس کی ہر تحریر کا اک ایک جملہ جوئے نور

مردِ حق آگاہ، خود آگاہ حق کوشِ عظیم
وہ جری ہمت، جواں فکر و جواں عقل و شعور

جو اندھیروں میں چراغِ مصطفےٰ کا نور تھا
جرأتِ کردار جس کی تھی مثالِ کوہِ طور

جو تھا باطل کے مقابل مثلِ صد کوہِ گراں
جس نے توڑے ظالموں کے بارہا کبر و غرور

وہ کہ باطل کے لئے اسلام کی للکار تھا
لرزہ بر اندام سارے جس سے تھے فسق و فجور

قائدِ تحریکِ اسلامی امیر کارواں ،
روٹھ کر سارے جہاں سے چل دیئے رب کے حضور
دل گرفتہ، آب دیدہ سب کے سب رفقائے کار
من و تو ، خورد و کلاں ، پیر و جواں ، عبدالشکور

رہبرِ دانشوراں

عبدالشکور

صاحبِ فہم و بصیرت، علم کا اک کارواں"
عبقریٔ عصرِ حاضر، رہبرِ دانشوراں
ہادی و شیرازہ بندِ ملّتِ اسلامیہ
حکمت و دانائی و تنظیم کا روحِ رواں
غم گسارِ بیکساں و دل نوازِ دوستاں
محسن و ہمدرد اپنا، خیر خواہ دشمناں
ہیبتِ طوق و سلاسل جس سے شرمندہ ہوئی
راہ حق میں عزم و استقلال کا مردِ گراں
مدتوں ترسا کریں گے رہروانِ راہ حق
پر نہ پائیں گے کہیں ایسا امیرِ کارواں
موت ہے سب کا مقدر سب کو ہونا ہے فنا
کس کو حاصل ہے ثبات اور کون ہے یاں جاوداں

★

دین کی خاطر مرنا اور جینا

عبدالشکور

اے دل مغموم و مضطر غم نہ کرنا چاہیئے
یہ خدا کی ہے مشیت صبر کرنا چاہیئے
یہ جہاں دار العمل ہے جب تلک مہلت ملے
طاعت حق میں ہر اک لمحہ گزرنا چاہیئے۔
کیسے بھی حالات ہوں پرواہ نہ کرنا چاہیئے
راہ حق میں بے خطر بے خوف بڑھنا چاہیئے
حادثات زندگی سے ہو نہ دل برداشتہ
آزمائش میں تجھے پورا اترنا چاہیئے
زندگی کا جو ہے مقصد وہ رہے پیش نظر
اے نسیم بے عمل کچھ غور کرنا چاہیئے
ظلمت کفر و ضلالت کی قبا کو پھاڑ کر
مہر تاباں کی طرح تجھ کو ابھرنا چاہیئے

بندگی کا حق اسی صورت میں ہوتا ہے ادا
ہر گھڑی اللہ سے بندے کو ڈرنا چاہیئے

"فکرِ مودودیؒ" کا مقصد اور منشا ہے یہی
دین کی خاطر ہی جینا اور مرنا چاہیئے

عالم کی موت رحلت عالم ہے دوستو

حضرت مولانا مودودی کی وفات پر

اک مردِ پاک باز کا ماتم ہے دوستو
یہ سانحہ بھی حشر سے کیا کم ہے دوستو

آنسو پلک پلک پہ ہیں دل ہے لہو لہو
شیرازہ صبر و ضبط کا برہم ہے دوستو

پامالیٔ ریاضِ نمنت پہ آج ہم
افسوس جسقدر بھی کریں کم ہے دوستو

ابنائے التفات کے زخموں کا ذکر کیا
اعدائے دیں کی آنکھ بھی پرنم ہے دوستو

روزِ ازل سے لوحِ جہاں پہ ہے مرتسم
عالِم کی موت، رحلتِ عالَم ہے دوستو

صدمہ جفائے مرگ کا سہنے کے باوجود
اہلِ رضا کا اور ہی عالم ہے دوستو،

روتا ہے دل لبوں پہ ہیں آہیں گھٹی گھٹی
اس پر بھی سر حضورِ خدا خم ہے دوستو
کیا پوچھتے ہو چارہ گردں سے علاجِ غم
زخم دروں کا صبر ہی مرہم ہے دوستو
پونچھو اب اشک فرض کفایہ ادا کرو
خلد آشیاں کے واسطے راسخ دعا کرو

آہ سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

عابد نظامی

عازم جنت ہوا وہ سیّد والا تبار
جس کے خامے کی مہک سے باغ دیں میں تھی بہار

وہ ابوالاعلیٰ، وہ عزم و استقامت کا پہاڑ
راہبر گم کردہ راہاں عبقری روزگار

وہ متفکر، وہ مدبر، وہ مجاہد، وہ حکیم
وہ امام وقت اقلیم ادب کا تاجدار

اس کا اٹھنا دہر سے، ہے سانحہ اتنا بڑا
علم خود روتا ہے اس کی موت پر زار و قطار

مہر عالمتاب کی مانند تھا اس کا وجود
جس سے روشن مشرق و مغرب کے امصار و دیار

یہ نفاذ دیں کے نعرے عالم اسلام میں
ان کے پیچھے ہے اسی کا فکر عالی گرم کار

نسل نو اس کے چراغ فکر سے ہے مستفیض
ذرہ ذرہ اس کے مہر علم سے ہے تابدار!

قصرِ دیں کو اب کسی بھی ابرہہ کا ڈر نہیں
اس نے پیدا کر دیئے اس گھر میں لاکھوں جانثار

ہر یزیدِ عصر کا سر اس نے نیچا کر دیا
تھا رگوں میں اس کی خونِ حیدرِ عالی وقار

اپنے دشمن سے وہ کرتا تھا ہمیشہ درگزر
دشمنِ دیں سے نمٹتا تھا مگر مردانہ وار

لرزہ براندام اس سے دشمنانِ مصطفٰےؐ
عاشقانِ مصطفٰےؐ کے دل تھے اس سے استوار

میری آنکھوں نے کوئی اس عہد میں دیکھا نہیں
اس سے بڑھ کر جو خدا کے دیں کا ہو خدمت گزار

اے اللہ العالمین، اے ربِّ تواب و رحیم
اس کو جنت میں عطا کر سرورِ دیں کا جوار

❖

سید محترم الوداع الوداع

ارشد فارانی

آپ کے دم سے تھی رونقِ گلستاں
آپ مہر و وفا کی تھے اک داستاں
آپ کی کیا کریں ہم بیاں خوبیاں
آپ دل، آپ جاں، آپ جانِ جہاں

ہر طرف غم ہی غم الوداع الوداع!!
سید محترم، الوداع الوداع!!

لوگ مغموم تھے جب جنازہ اٹھا
غمزدوں کا عجب ایک سیلاب تھا
لب پہ ہر اک کے تھا یا خدا یا خدا
رو رہے تھے سبھی تیرے اہلِ وفا

تھی صدا دم بدم الوداع الوداع!!
سید محترم الوداع الوداع!!

الفتوں کا بیاں آپ کی ذات تھی
نگہتِ گلستاں آپ کی ذات تھی

مرکز دین و ایماں آپ کی ذات تھی
مشفق و مہرباں آپ کی ذات تھی
سب ہیں محوِ الم الوداع الوداع!!
سید محترم الوداع الوداع!!

آپ نے کفر سے ہر لڑائی لڑی
ہر مصیبت اٹھائی بڑی سے بڑی
صبر سے کام لیتے رہے ہر گھڑی
آپ کی موت سے ہم پہ آفت پڑی
ہو گیا کیا ستم الوداع الوداع!!
سید محترم الوداع الوداع!!

آپ سے رونق بزم جاناں رہی
ہر طرف مشعلِ حق فروزاں رہی
آپ سے عزتِ اہل ایماں رہی
آپ سے آبروئے مسلماں رہی
ہم ہیں با چشم نم الوداع الوداع!!
سید محترم الوداع الوداع!!

اس صدی کا بڑا پیشوا مر گیا
اک جری مقتدر رہنما مر گیا
مردِ حق عاشقِ مصطفےٰ مر گیا
اہلِ اسلام کا ناخدا مر گیا

اے فقیرِ ستم الوداع الوداع!!
سید محترم، الوداع الوداع!!

٭

صاحب فہم و بصیرت

صاحب فہم و بصیرت عابدِ شب زندہ دار
علم دین مصطفےٰ کے بحرِ ناپیدا کنار
قوم کے اُجڑے ہوئے گلزار کی فصلِ بہار
حق شناس و حق فروغ و حق نما و حق شعار

تجھ سے روشن ظلمتِ تاریک میں شمع یقیں
تیرے دم سے نوجوانوں میں ہُوا احیائے دیں

علم دیں سے تیرا دل ہے مرکزِ انوار بھی
تجھ کو بخشا ہے خدا نے دیدۂ بیدار بھی
عزم کا پیکر بھی ہے تو صاحبِ کردار بھی
تیری فطرت میں نہاں ہے جذبۂ ایثار بھی

سچ اگر پوچھو تو بس یہ بات ہے ایمان کی
رہبری سجتی ہے تجھ پہ اہلِ پاکستان کی

نصرت قریشی

سیّدؒ مودودیؒ کے حضور

منور ہاشمی

سیدی! تو عالمِ اسلام کی توقیر تھا
تو سراپا عظمتِ اسلاف کی تصویر تھا

دینِ حق کو زندگی بخشی ہے تیرے نطق نے
تیرا اندازِ بیاں اس درجہ پُرتاثیر تھا

ہے مسلماں کے لئے تحریر تیری جانفزا
پر منافق کے لئے تیرا قلم شمشیر تھا

خواب غفلت سے کیا بیدار تو نے قوم کو
کس قدر پُرسوز تیرا نالۂ شبگیر تھا

سایۂ تیغِ اجل میں کلمۂ حق تیرا کام
سیّدی تو پیروکارِ مسلکِ شبیر تھا

تجھ کو اے اہلِ دلا مرعوب کر سکتا تھا کون
تیری پیشانی پہ جب لایخافون تحریر تھا

وا کئے تو نے درِ اسرارِ حق انسان پر
تھی جہاں ظلمت وہاں تنویر ہی تنویر تھا

تو کفن بر دوش میدان عمل میں ڈٹ گیا
تو نے جب دیکھا خودی کے پاؤں میں زنجیر ہے

قطعہ تاریخ

سبا متھراوی

اب کہاں علم و عمل کی چاندنی
علمیت کے ماہ تاباں الفراق

اب کہاں تحقیق ایمانی کی دھوپ
دین کے خورشید رخشاں الفراق،

اب کہاں فکر و نظر کے مہر و ماہ
آسمانِ علم و ایماں الفراق

اب کہاں وہ بارشِ علم و خبر
جستجو کے ابر باراں الفراق

اے محقق، اے مفکر الوداع
عالمِ اسرارِ قرآں الفراق

سید مودودیؒ اعلےٰ سلام
نبدہ احکام یزداں الفراق

کہہ رہا ہے ملہم غیبی صبا
صاحب تفہیم قرآں الفراق

اے شاہِ قلوب فقر کیشاں

نعیم صدیقی

کس شہر سے آ گیا بلاوا — کس دیس چلی تیری سواری
تھا نصف صدی کا ساتھ اپنا — فرقت کی گھڑی ہے کتنی بھاری
ہے مہرِ سکوت صبر لب پر — سینے میں چھپے ہیں زخم کاری
اک درد کا تند و تیز دریا — دلہائے تپیدہ سے ہے جاری
قانون اجل ہے کتنا واضح — جانا ہے سبھی کو باری باری
خوابوں کے نگر میں کیا بسیرا — اس بزمِ فنا میں کیسی یاری
وہ روٹھ کے جا رہے ہیں لوگو! — اب زور چلے نہ کوئی زاری
سینوں میں دہک رہے ہیں اخگر — اک زہر سا ہے رگوں میں ساری
تجھ کو تو قرار مل گیا ہے — اب ہم ہوئے وقفِ بیقراری
افکار وہ تیرے نکھرے نکھرے — گفتار وہ تیری پیاری پیاری
ہر خط جو قلم سے تو نے لکھا — پھولوں کی وہ اک سجی ہے کیاری
اخلاص کے ہیں یہ کیا کرشمے — الفاظ کی کیسی مینا کاری
حکمت کے گہر لٹائے تو نے — اپنا ہی رہا ہے فہم عاری
سب ساقیٔ رفتہ کی کشش تھی — اب کاہے کا شغل بادہ خواری
ماحول تھا جیسے ایک طائف — ہوتی رہی تجھ پہ سنگ باری

ملّت کی نظر یہ کی ہے واضح | طاغوت کی بروسیہ کاری
ظلمت میں تری اذان دعوت | پھیلی ہو سحر کی جیسے دھاری
اے شاہ قلوب فقر کیشاں | تھا شاہوں پہ فقر تیرا بھاری
کافی تھا یہ انقلاب کا درس | ایماں کی ہے شرطِ استواری
مرقد پہ تیرے شعاعیں برسیں | چھایا رہے ابرِ فضلِ باری

جاری رہے رزم غلبۂ حق
ہم کو بھی ملے جنوں شعاری

ہے وہ زندہ اگرچہ فانی تھا

مختار احمد کاشف

عہدِ ماضی کی اک نشانی تھا
عشق و مستی کی اک کہانی تھا
آنے والی صدی کا انسان تھا
ہے وہ زندہ اگرچہ فانی تھا
لفظ در لفظ تھے رقیب اسکے
خود وہ گنجینۂ معانی تھا
علم و عرفاں کی بزمگاہوں میں
اک وہی آپ اپنا ثانی تھا
کتنا بے داغ تھا کہ ہر نقاد
شرم سے خود ہی پانی پانی تھا
مغربیت زدہ فضاؤں میں
دینی تحریک کا وہ بانی تھا
جانتا تھا رموزِ حکمتِ دیں
بے مثل عالم ربانی تھا

فقہِ اسلام کا شناور تھا

اس صدی کا وہ عسقلانیؒ تھا

آنے والوں کا پیشوا ہو گا

جادِ دانی ہے جاوِدانی تھا

تیرگی میں بھی شمع روشن تھا

یہ بڑھاپا بھی کیا جوانی تھا

عمر بھر فرضِ منصبی اس کا

بہ ملا حق کی ترجمانی تھا

دین و دنیا کے اعتبار سے وہ

مرشدِ آخر الزمانی تھا

مسندِ علم و رشد سے مایوس

ہم جوانوں کی زندگانی تھا

باغِ فردوس ہے مقام اس کا

طائرِ خلد آشیانی تھا

رونقِ بزم چھن گئی کاشف

کیا گلستانِ زعفرانی تھا

لذّتِ عشق گئی

نعیم صدیقی

بزم سے یار طرحدار گیا — اپنے قابو سے دل زار گیا،
پیکرِ حسن ہوا وہ رخصت — دوستو! حسن کا معیار گیا
ہوش آیا ہے جنوں کیشوں کو — لذّتِ عشق گئی، پیار گیا
عالمِ برہمئ بزم نہ پوچھ — جو گیا خوار گیا، زار گیا
جو بھی آیا وہ تڑپتا آیا — جو گیا جان سے بیزار گیا
اُجڑا میخانہ تو ہر غمزدہ رند — بادۂ اشک سے سرشار گیا
جانے کیوں روٹھ گیا ہے ساقی — جو بھی میخوار گیا، خوار گیا
غمزدہ! چیخو کہ غم خوار چلا — تڑپو دل والو! کہ دلدار گیا
دل سے ٹکرانے لگی درد کی لہر — ایک پل صبر بھی جی ہار گیا
کتنی آنکھوں میں اندھیرا چھایا — جب سے وہ روئے پُر انوار گیا
کیسی بیباک سی تھی اس کی ادا — جب وہ منبر سے سوئے دار گیا
وہ کہ تلواروں کی دھاروں پہ چلا — چلتے چلتے وہ افق پار گیا
اس کی میراث ہیں رفتار بلند — چھوڑ کر دولتِ کردار گیا
کفر کی چالوں کا وہ رمز شناس — دین کا واقفِ اسرار گیا
وہ شرافت کے شعاروں کا امیں — وہ مروت کا نگہ دار گیا

وہ جو تھا صبر کی اک ڈھال ہے گم
وہ جو تھا صدق کی تلوار گیا

کیا ہو خوابیدہ ضمیروں کو شعور
صاحب دیدہ بیدار مغز گیا

زندہ تر مر کے ہوا آپ، مگر
جو رہے زندہ انہیں مار گیا

غمِ انسان، غمِ ملّت، غمِ ملک
غم کے وہ چھوڑ کے پہاڑ گیا

حرکت دے گیا تاریخ کو پھر
چھیڑ کر عشق کی پیکار گیا

آج کے عالمِ انسانی سے
فنِ تخلیق کا شہکار گیا

لذّت آگاہِ سکوتِ پیہم
نکتہ دانِ فنِ اظہار گیا

جانے والا تو چلا اے دلِ زار
سب تڑپنا ترا بے کار گیا

ابوالاعلیٰ! ترا جانا یوں ہے
ابر آیا تھا گہر بار، گیا

الوداع

نعیم صدیقی

رُک جاؤ تیز و تند ہواؤ کہ وہ چلے
تھم جاؤ شوخ و شنگ شعاعو کہ وہ چلے

چپ چاپ تھرتھراؤ فضاؤ کہ وہ چلے
گھٹ جاؤ ہاؤ ہو کی صداؤ کہ وہ چلے

قلب و جگر میں پڑ گئے گھاؤ کہ وہ چلے
دہکے نظر نظر میں الاؤ کہ وہ چلے

جو بے خبر ہیں ان کو بتاؤ کہ وہ چلے
جو سو رہے ہیں اُن کو جگاؤ کہ وُہ چلے

لپکو، بڑھو کہ ان کا ہے دیدار آخری
بستی سے ہر کسی کو بلاؤ کہ وُہ چلے

منت، سماجت اور لجاجت کا وقت ہے
روٹھے ہوں وہ تو ان کو مناؤ کہ وہ چلے

یارو! سکوت صبر ہے کچھ اور بھی مہیب
آہ و فغاں کا حشر اٹھاؤ کہ وُہ چلے

لمحہ یہ علیش غم کا ہے، آتا ہے کم کبھی
اک جشن درد ہجر مناؤ کہ وہ چلے
اب چھیڑو سازِ سوز کہ آیا دم فراق
زہراب غم کے جام لنڈھاؤ کہ وہ چلے
رقت دلائیں کاش مرے شعر ان کو آج
کچھ تم اثر دکھاؤ دعاؤ کہ وہ چلے
اب تم پہ ذمہ داری پیکار انقلاب
تنہا ہی اب محاذ پہ جاؤ کہ وہ چلے

تیرے بعد

نعیم صدیقی

یا سیدی! چمن کو سجائیں گے تیرے بعد
جذبوں کے تازہ پھول کھلائیں گے تیرے بعد

اے وہ کہ عصرِ نو کا نقیبِ جہاد تھا
اپنی صفوں کو آگے بڑھائیں گے تیرے بعد

تیرا ترانہ جوش سے گائیں گے تیرے بعد
لہریں تری نوا کی اٹھائیں گے تیرے بعد

بامِ افق پہ صبح کو لائیں گے تیرے بعد
خورشید تازہ مل کے بنائیں گے تیرے بعد

زیر و زبر کریں گے جہانِ خراب کو
عشاق شورِ حشر اٹھائیں گے تیرے بعد

زندہ تنوں کے مرقدوں میں دفن ہیں قلوب
ان میتوں کو پھر سے جلائیں گے تیرے بعد

اب تک پسینہ ہم نے بہایا بہ راہِ شوق
اب اپنا اپنا خون بہائیں گے تیرے بعد

کچھ اور جذبہ ہائے عزیمت سے لیں گے کام
کچھ اور سخت دور بھی آئیں گے تیرے بعد

کب تک چھپائے پردۂ خاک لحد تجھے
جلوہ تیرا جہاں کو دکھائیں گے تیرے بعد

تو نے جسے کشید کیا الکتاب سے
وہ بادہ طہور لنڈھائیں گے تیرے بعد

قندیل نور پاش ہے تیری دلیل کی
ہم اس کی لو کو اور اٹھائیں گے تیرے بعد

سر دے تو سکتے ہیں، مگر باطل کے سامنے
دب کر کبھی نہ سر جھکائیں گے تیرے بعد

تعمیر کرنے اٹھیں گے قصرِ علومِ نو
ایمان کے تازہ شہر بسائیں گے تیرے بعد

بنکر جئیں گے مقصد "اعلیٰ" کے ہم امیں
تیرے سبق کو بھول نہ جائیں گے تیرے بعد

جوڑیں گے ہم صحیفۂ وحدت کے سب ورق
ٹوٹے دلوں کو پھر سے ملائیں گے تیرے بعد

اسلام کے نظام کو کر دیں گے استوار
اس طرح تیری یاد منائیں گے تیرے بعد

کارنامہ

نعیم صدیقی

کیسا ہے یہ غم کہ آہ — لگتا ہے کوئی گناہ کرنا
اے ہجر میں چھوڑ جانے والے — بسمل پہ ذرا نگاہ کرنا
تھا مشغلہ کیا لطیف تیرا — تزئینِ گل و گیاہ کرنا،
کیا شانِ گلِ بہار تو تھی — ہر خار سے بھی نباہ کرنا
کرنوں کا گزر گلوں میں جیسے — شفقت سے ترا نگاہ کرنا
کتنے ہی ترے حسود و بدخواہ — ان سب کے بھلے کی چاہ کرنا
کی جن کے چمن کی آبیاری — خود ان کا چمن تباہ کرنا
دھندلا گئے جب بھی چاند تارے — روشن کئے مہر و ماہ کرنا
نے خوف نہ مال و جاہ کا رعب! — نے خواہش مال و جاہ کرنا
دبنا نہ کسی بھی کج کلہ سے — خود کج نہ کبھی کلاہ کرنا
دن فکر میں سارا کاٹ دینا — پھر ذکر میں شب پگاہ کرنا
تجدید جہاد دعوت حق — تاریخ کو رزم گاہ کرنا
دنیا کے جو تھے غریب اُنکو — ایمان کا بادشاہ کرنا
تغیر نظام کے سفر میں — کردار کو زادِ راہ کرنا،

صد حملۂ بے پناہ سہ کر   پھر حملۂ بے پناہ کرنا
ہر قلب سلیم آدمی کو   اللہ کی جلوہ گاہ کرنا

بتخانۂ عصر نو کے اندر
وا معنیٔ لا الٰہ کرنا

ابھرے گا بار بار مودودی

★ نعیم صدیقی

گلفشاں، لالہ بار مودودی — باغ دیں کی بہار مودودی"
علم کا ایک بہتا دریا وہ — عزم کا کوہسار مودودی"
حلم کا تھا وہ شبستاں بھی — خلق کا جوئبار مودودی"
حسن کا وہ ازل سے محرم تھا — عشق کا راز دار مودودی"
عدل کی بن گیا تھا وہ میزاں — صدق کا اعتبار مودودی"
زندگی کو ملا شرف اس سے — آدمی کا وقار مودودی"
بعد از انبیاء بہ عصر جدید — خلق کا شاہکار مودودی"
ہر طرف گو بجا پیام اسکا — رونق ہر دیار مودودی"
خاکبازوں کو چرخ گیر کیا — خود رہا خاکسار مودودی"
قید خانے تھے اس کے زیر نگیں — فاتح چوب دار مودودی"
عالم و عامی و امیر و غریب — سب کا تھا غمگسار مودودی"
عالم نو کا وہ نقیب عظیم — تھا تمدن نگار مودودی"
اس طرف بیشمار ہیں دشمن — اس طرف بے شمار مودودی"
جس سے طاغوت لرزہ بر اندام — رزم حق کی پکار مودودی"
فتنہ سازو! ابھی نجات کہاں — ابھرے گا بار بار مودودی"

تم یہ سمجھے کہ فرد تھا، وہ مٹا ۔۔۔ جا بجا ہیں ہزار مودودیؒ
اہل باطل! کبھی نہ بھولو گے ۔۔۔ مر کے دے گا وہ مار مودودیؒ
لمحۂ غلبۂ صداقت کا ۔۔۔ دے گیا انتظار مودودیؒ
جس نے ہم سب کو بیقرار کیا ۔۔۔ سب کا ہے اب قرار مودودیؒ
لاکھوں تیار کر گیا جانباز ۔۔۔ گرمئ کارزار مودودیؒ
یہ نہ سمجھو کہ موت کے ہاتھوں ۔۔۔ ہو گیا ہے شکار مودودیؒ
موت آنے پہ کیوں بکھر جاتا ۔۔۔ تھا نہ مشتِ غبار مودودیؒ
مرتے کب ہیں رہِ وفا کے شہید ۔۔۔ زندہ زیرِ مزار مودودیؒ

آج لطف و عطائے خاص کا ہے
حق سے امیدوار مودودیؒ

پھر تعمیرِ خورشید کرو

نعیم صدیقی

یہ بستی اجڑی اجڑی ہے، اس بام و در میں آنا کیا
اب کوچۂ جاناں خالی ہے، جُز خاک یہاں اب پانا کیا

کچھ بے حس پتھر پھیلے ہیں، کچھ گونگی بہری دیواریں
بس سر ٹکرانا ممکن ہے، بیکار کا سر ٹکرانا کیا

خوابوں کا بھی کیسا جادو ہے، دھوکے میں تصور رکھا ہے
پر جان سمجھ کر اچھی طرح، اپنے ہی سے دھوکا کھانا کیا

جب گلشن میں وہ گل ہی نہیں، نغمات بہاراں گانا کیا
اب موجِ صبا سے، شبنم سے، سبزے سے دل کا لگانا کیا

(۲)

میخانہ ہوا ہے غم خانہ، اب مے ہے نہ باقی پیمانہ
محفل بھی ہوئی اک یاد کہیں، ساقی بھی ہوا اک افسانہ

کیا خاک اڑی افلاک تلک، ہے ساری دنیا ویرانہ
ویرانہ بھی ایسا ویرانہ، جس میں نہیں کوئی دیوانہ

یہ مستی، مستی کی دنیا، کیوں موت کا ٹھہری بیعانہ
جس پر بھی چھڑکے جان دہی، چل دنیا بنکر بیگانہ

(۳)

جو راہِ وفا میں کھپ جائیں، وہ لوگ بھی کیا مر جاتے ہیں
ترتیب نظامِ دوراں کو، جو زیر و زبر کر جاتے ہیں
جو اپنے حسن کے جلووں سے، دامانِ نظر بھر جاتے ہیں
جو ہر لمحے کے مقتل میں، ہاتھوں پہ لئے سر جاتے ہیں
فانوس وہاں پھر اُگتے ہیں، جس رہ پہ قدم دھر جاتے ہیں
قبروں میں اُترتے ہیں لیکن وہ بامِ افق پر جاتے ہیں

(۴)

اب روؤ نہیں، رلواؤ نہیں، ایمانوں کی تجدید کرو
کچھ کام کرو، اقدام کرو، تبدیلی کی تمہید کرو
مودودی ایک مجاہد تھا، اس قائد کی تقلید کرو
پھر عشق کا قصہ خوں سے لکھو، ابواب نئے تسوید کرو
اب تم ہی نقیبِ صبح بنو، پھر تعمیرِ خورشید کرو
سچائی کا اعلان کرو، ہر باطل کی تردید کرو
یہ بگڑی دنیا بدلے گی، ایمان رکھو، امید کرو

الوداع

محمد نعیم عارفی :(طائف)

الوداع اے محرمِ رازِ حقیقت الوداع
الوداع اے بانیٔ تنظیمِ ملت الوداع
الوداع اے شرح وبسط نظمِ وحدت الوداع
الوداع اے کاشفِ حق وصداقت الوداع
الوداع اے مصدرِ صبحِ درخشاں الوداع
الوداع اے ہر دلِ پُر خوں کے درماں الوداع
ہر دلِ حساس پہ بڑھ کر صدا دیتا تھا تو
دانش وبینش کی شمعِ نو جلا دیتا تھا تو
شاہراہِ حق شناسی کا پتہ دیتا تھا تو
گوشہ ہائے قلب سارے جگمگا دیتا تھا تو
اوج کا پیغامبر تھا اہلِ پستی کے لئے
تو سراپا نور تھا ظلماتِ ہستی کے لئے

فکر کی تابانیوں میں، فن تدبیروں میں تو
ہوش میں خوابوں میں اور خوابوں کی تعبیروں میں تو
تھا ہمارے دل میں تحریروں میں، تقریروں میں تو
لکھ رہا تھا نام اپنا سب کی تقدیروں میں تو

اے جمالِ آدمیت، شمعِ علم و آگہی
کیا گوارہ کر سکیں گے ہم جدائی کو تیری
تیری ہر آواز پہ رکتے رہے چلتے رہے
مسکرایا تو ذرا، تو دیر تک ہنستے رہے
تیرے مقصد کے لئے جیتے رہے مرتے رہے
کتنے فخر و ناز سے تیرا کہا کرتے رہے
مطمئن تھے کتنے دیکر ہاتھ تیرے ہاتھ میں
روشنی کی اک کرن تھا تو اندھیری رات میں

بے نکوں کو بے تکی باتوں پہ شرمائیگا کون
اپنی تحریروں سے اہل دل کو گرمائیگا کون
درسِ نظم و ضبط دیکر ہمکو سمجھائے گا کون
اتنی خاموشی سے اب ہر دل میں در آئیگا کون
بڑھ رہے تھے نظمِ اسلامی کی منزل کیلئے
رو رہے ہیں اب مگر سرخیل کامل کیلئے

مطمئن تھے جتنے دل، اتنے ہی اب بیتاب ہیں
مسکراتی تھیں جو آنکھیں اب وہی پُر آب ہیں

بحرِ بے پایاں سکوں کے ہر طرف پایاب ہیں
آنسوؤں میں جان و دل کی کشتیاں غرقاب ہیں

قطبِ وقت و قبلہ گاہِ عارفاں جاتا رہا
آہ وہ درویش وہ جادہ بیاں جاتا رہا

کس سے پی جائے گی آخر یہ شرابِ شامِ غم
کس سے دیکھا جائے گا یہ پیچ و تابِ شامِ غم

پُرزے پُرزے ہو رہا ہے صبر و تمکیں کا لباس
تو نہیں تو آج ہر منظر ہے اک تصویرِ یاس

کس سے دیکھی جائے گی بے روح تصویرِ حیات
کس زباں سے اب سنی جائے گی تفسیرِ حیات

کون اب روشن کرے گا شمعِ تنویرِ حیات
کون دیگا روز و شب اب درسِ توقیرِ حیات

کون ہوگا اس قدر سرگرم اسلامی نظام
لے لیا تقدیر تو نے کس ستم کا انتقام

اب کہاں شوق نزول کے چاند کی ضو باریاں
ہو گئی نایاب آخر علم کی جنسِ گراں

الوداع اے نازشِ فکرِ فروزانِ جہاں،
الوداع اے عندلیبِ گلشنِ اسلامیاں
کیوں لہو روئے نہ چشمِ مضطرب میری نعیم
ہوگیا رخصت جہانِ شوق کا بطلِ عظیم
ہر طرف ہلچل ہے اک محشر بپا ہے آج کل
ہر تعصب کے لئے رستہ کھلا ہے آج کل
ہر طرف اک شور ہے، آہ و بکا ہے آج کل
ملک کا شیرازہ یوں بکھرا ہوا ہے آج کل
جیسے ہم سے بد نصیبوں کا خدا کوئی نہیں
روشنی معدوم ہے اور راستہ کوئی نہیں
ہم ہی کیا سارا جہاں ہے آج کل تاریک و تار
جہل کی غارتگری ہے ہر طرف با اختیار
کفر کی پرچھائیاں، اوہام باطل، خلفشار،
زندگانی ہے رہینِ افتراق و انتشار،
آدمیت سرنگوں ہے جہل کی معراج ہے
آج کل سارے جہاں پر اہرمن کا راج ہے،
ایسے عالم میں خدا کا اک کرم تھی تیری ذات
جامعِ علم و عمل، اک موجِ یم تھی تیری ذات

اہلِ دل اہلِ صداقت کا بھرم تھی تیری ذات
زینتِ اہل عرب، حسنِ عجم تھی تیری ذات
کتنا آساں کر دیا تھا تو نے ہر مشکل کا حل
ہے زمانے کو تری کتنی ضرورت آج کل
ہم زمانے کو دکھائیں گے تری راہِ وفا
ہے تری راہِ وفا، راہِ شہیدِ کربلا
ہاں یہی راہِ وفا ہے منزلِ صدق و صفا
اہلِ پاکستان سے مخفی نہیں یہ راستا
سرنگوں ہے بزمِ آب و گِل ہمارے سامنے
منکشف ہے اب وہی منزل ہمارے سامنے
مشعلِ انسانیت ہے تیرا پیغامِ عظیم
راستہ ہے اب ہمارا تیری راہِ مستقیم
تا یہ کہ ارضِ وطن واماندۂ امید و بیم
عام کرتا ہے ترا نطقِ رسا، فکرِ سلیم
ارضِ پاکستان پہ آئے گا اسلامی نظام
اور یہاں سے ہر طرف چھائیگا اسلامی نظام

نورِ ایماں سے ترے ہے اک زمانہ شاد کام
دلنشیں ہے کتنا تیرے درس کا حسنِ کلام
کس قدر تو نے کیا ہے عافیت کا اہتمام
الوداع اے نازشِ فکرِ فروزاں کے امام
تیری رحلت تازیانہ ہے جہانِ شوق پر
چھا کے رہنا ہے ہمیں دنیا کے تخت و فوق پر

قطعہ تاریخ وصال مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی

۱۳۹۹ھ (دبیس امروہوی)

بزمِ علمی میں کہاں علم و عمل کا نور اب
عالمِ حق سے ہوئے علم و عمل مہجور اب
نور گو باقی رہا مودودیؒ، مغفور کا
ہم سے رخصت ہو گئے مودودیؒ مغفور اب

رباعیات

عارف سیمابی سیالکوٹی

عالم بھی، صحافی بھی، مدبر بھی تھا
اسلام کا منفرد مفکر بھی تھا
وہ دانش کا چمن بھی علم کا چشمہ بھی
قرآن کا بے بدل مفسر بھی تھا

★

فتنوں کو دبانے کا تمنائی تھا
باطل کو مٹانے کا تمنائی تھا
جس دور کے ہم لوگ تمنائی ہیں
اس دور کو لانے کا تمنائی تھا

★

صہبائے احادیث سے سرشار تھا وہ
قرآں کی حکومت کا طلب گار تھا وہ
باطل کے اندھیروں سے رہا محوِ جہاد
اور اپنی جگہ نور کا مینار تھا وہ

مفہوم و معانی کا جہاں مودودی
توضیح و تفاصیل کی جاں مودودی
تشریح و مطالب کا امڈتا طوفاں
تحریر کا بحرِ بیکراں مودودی

★

اخلاص و صداقت کا گلستاں سید
آوازہ حق، نعرۂ ایماں سیّد
اس دور میں انساں تو بہت ہیں لیکن
جو نازشِ انساں ہو وہ انساں سید

★

تسنیم کی موجوں کی روانی بھی تھا
اسلاف کی تابندہ نشانی بھی تھا
تقدیس کے گلشن کی بہار جاوید
فردوس کے پھولوں کی جوانی بھی تھا

★

تشکیک کی دلدل سے نکالا اس نے
گرتی ہوئی ہمت کو سنبھالا اس نے
قرآن و حدیث کی جلا کر قندیل
ظلمت زدہ ذہنوں کو اجالا اس نے